العُروةُ فِی مَنَاسِكِ الحَجِّ و العُمْرَة

فتاویٰ حج و عمره

(حصہ نہم)

تالیف

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون:32439799

نام کتاب	:	العُرْوَةُ فِیْ مَنَاسِكِ الحَجِّ وَ العُمْرَة ''فتاویٰ حج وعمرہ''
تصنیف	:	حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ
سن اشاعت	:	شوال المکرّم 1436ھ۔اگست 2015ء
سلسلۂ اشاعت نمبر	:	256
تعداد اشاعت	:	4700
ناشر	:	جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی، فون:32439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

فہرست مضامین

نیت

احرام

طواف

رمی

قربانی/دم

حلق

منیٰ

عرفات

متفرق

پیش لفظ

حج اسلام کا اہم رُکن ہے جس کی ادائیگی صاحبِ استطاعت پر زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے، اس کے بعد جتنی بار بھی حج کرے گا نفل ہوگا اور پھر لوگوں کو دیکھا جائے تو کچھ تو زندگی میں ایک ہی بار حج کرتے ہیں کچھ دو یا تین بار، اقل قلیل ایسے ہوتے ہیں جن کو ہر سال یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا حج کے مسائل سے عدم واقفیت یا واقفیت کی کمی ایک فطری امر ہے۔ پھر کچھ لوگ تو اِس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، دوسروں کی دیکھا دیکھی ایسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہوتے ہیں اور کچھ علماء کرام کی طرف رُجوع کرتے ہیں مناسکِ حج وعمرہ کی ترتیب کے حوالے سے ہونے والی نشستوں میں شرکت کرتے ہیں پھر بھی ضرورت پڑنے پر حج میں موجود علماء یا اپنے ملک میں موجود علماء سے رابطہ کر کے مسئلہ معلوم کرتے ہیں۔ اور پھر علماء کرام میں جو مسائل حج وعمرہ کے لئے کُتُبِ فقہ خصوصاً مناسک حج و عمرہ کا مطالعہ رکھتے ہیں وہ تو مسائل کا صحیح جواب دے پاتے ہیں اور جن کا مطالعہ نہیں ہوتا وہ اِس سے عاجز ہوتے ہیں، اور ایسی صورت میں بعض تو اپنے قیاس سے مسائل بتا دیتے ہیں حالانکہ مناسک حج وعمرہ توقیفی ہیں۔ ہمارے ہاں جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان) کے زیرِ اہتمام نور مسجد میٹھادر میں پچھلے کئی سالوں سے ہر سال باقاعدہ ترتیب حج کے حوالے سے نشستیں ہوتی ہیں، اِسی لئے لوگ حج وعمرہ کے مسائل میں ہماری طرف کثرت سے رجوع بھی کرتے ہیں، اکثر تو زبانی اور بعض تحریری جواب طلب کرتے ہیں اور کچھ مسائل کہ جن کے لئے ہم نے خود بھی اپنے ادارے میں قائم دار الافتاء کی جانب رُجوع کیا تھا اور کچھ مفتی صاحب نے ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء اور ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء کے سفر حج میں مکہ مکرمہ میں تحریر

فرمائے۔ پھر ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۸ء اور ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء کے سفرِ حج میں اور کچھ کراچی میں مزید فتاویٰ تحریر ہوئے، اس طرح ہمارے دار الافتاء سے مناسکِ حج وعمرہ اور اس سفر میں پیش آنے والے مسائل کے بابت جاری ہونے والے فتاویٰ کو ہم نے علیحدہ کیا اور اُن میں سے جن کی اشاعت کو ضروری جانا اس مجموعے میں شامل کر دیا اور چھ حصے اس سے قبل شائع کئے جو ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء تک کے فتاویٰ تھے بعد کے فتاویٰ کو جب جمع کیا گیا تو ضخامت کی وجہ سے اُن میں سے کچھ فتاویٰ حصہ ہفتم میں ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء پھر حصہ ہشتم ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء میں شائع کئے گئے اور اب کچھ پہلے کے اور کچھ گزشتہ سال حج اور اس کے بعد کے فتاویٰ حصہ نہم میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

اور فتاویٰ حج وعمرہ کے نویں حصے کو جمعیت اشاعت اہلسنّت اپنے سلسلۂ اشاعت کے ۲۵۶ ویں نمبر پر شائع کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہم سب کی کاوش کو قبول فرمائے اور اسے عوام وخواص کے لئے نافع بنائے۔ آمین

فقیر محمد عرفان ضیائی

خادم جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

العُروةُ فِی مَنَاسِكِ الحَجِّ و العُمْرَة

فتاویٰ حج و عمرہ

نیت

عمرہ ادا کرنے سے قبل حج کی نیت کرنا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص عمرہ کا احرام باندھ کر کراچی سے آیا اُس نے اب تک عمرہ ادا نہیں کیا اور وہ چاہتا ہے کہ میں حج کی نیت بھی کرلوں تا کہ میرا حج ''حجِ قِران'' ہو جائے، کیا وہ اس طرح کر سکتا ہے اور اس کا حج ''حجِ قِران'' ہو جائے گا جب کہ منیٰ روانگی کو ابھی چند دن باقی ہیں؟

(السائل: محمد حسین، کاروانِ اہلسنّت)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں وہ حج کا احرام باندھ سکتا ہے یعنی حج کی نیت کر کے تلبیہ کہہ لے تو جائز ہے اور وہ اس طرح کرنے سے ''قارن'' ہو جائے گا۔

یاد رہے کہ ایک نُسک کو دوسرے کے ساتھ ملانے کی دو صورتیں ہیں، ایک حج کو عمرہ کے ساتھ ملانا اور دوسری عمرہ کو حج کے ساتھ ملانا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

أما الإضافة فعلى قسمَين: الأول: إضافة الحجِ إلى العمرة، وهو: أن يُحرم بالعمرة أولاً ثم بالحج، قبل أن يطوفَ لها أو بعد ما طاف لها، و الثاني: إضافة العمرة إلى الحج، وهو أن يُحرم أولاً بالحج ثم بالعمرة قبل طواف القدوم أو بعده (١)

یعنی، مگر ملانا دو قسم ہے، پہلی قسم حج کو عمرہ کے ساتھ ملانا اور وہ یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر طوافِ عمرہ سے قبل یا بعد حج کا احرام باندھے اور دوسری

١۔ لباب المناسک وعباب المسالک، باب إضافة أحد النُّسُكين إلى الآخر و الجمع بينهما معاً، ص١٨٨

قسم عمرہ کو حج کی طرف ملانا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے حج کا احرام باندھے پھر طوافِ قُدوم سے قبل یا اُس کے بعد عمرہ کا احرام باندھے۔

پس پہلی صورت آفاقی کے لئے جائز اور مکی کے لئے مکروہ ہے جب کہ دوسری صورت دونوں کے لئے مکروہ ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

فالأول جائز بلا كراهة للآفاقي و مكروه للمكي، والثاني: مكروه لهما (٢)

یعنی، پہلا آفاقی کے لئے بلا کراہت جائز ہے اور مکی کے لئے مکروہ اور دوسرا دونوں کے لئے مکروہ ہے۔

اس کے تحت مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

بل يستحب لحمل فعله ﷺ عليه جمعاً بين الأحاديث المختلفة على ما حقّقه ابن حزم و تبعه النّووی (٣)

یعنی، (حج کو عمرہ کی طرف ملانا آفاقی کے لئے بلا کراہت جائز ہے) بلکہ احادیث مختلفہ کے مابین جمع کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے فعل کو اس پر محمول کرنے سے مستحب ہے۔

اور شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

وکیفیت قِران آن بود کہ جمع نماید در احرام واحد میان حج وعمرہ یا آنکہ ادخال کند احرام حج را بر احرام عمرہ قبل از ادائے اکثر اشواطِ طواف عمرہ اعنی چہار شوط از وی بشرط وقوع اکثر طواف عمرہ در اشہر حج اگرچہ احرام عمرہ سابق باشد بر اشہر حج یا آنکہ ادخال کند احرام عمرہ را بر احرام حج در اشہر حج قبل از تحقق وقوف بعرفات، پس درین ہر سہ صورت قارن باشد الّا آنکہ صورت ثالثہ اعنی اِدخال

٢۔ لُباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب إضافة أحد النُّسُكين إلى الآخر و الجمع بينهما معاً، ص١٨٨

٣۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب إضافة أحد النسكين، ص٤١٥

احرام عمرہ بر احرام حج اساءۃ دارد بواسطہ مخالفت سنّت .الخ (٤)

یعنی، قِران کی کیفیت یہ ہے کہ ایک احرام میں حج وعمرہ کو جمع کرے یا یہ کہ حج کے احرام پر عمرہ کو داخل کرے طواف عمرہ کے اکثر چکر ادا کرنے سے قبل میری مراد ہے کہ اس کے چار چکر بشرطیکہ اکثر طوافِ عمرہ حج کے مہینوں میں ہوا گرچہ احرام عمرہ حج کے مہینوں سے پہلے ہو یا یہ کہ احرام عمرہ کو حج پر اَشْہُرِ حج میں وقوفِ عرفات کے تحقُّق سے قبل داخل کرے، ان تینوں صورتوں میں قارن ہو جائے گا مگر یہ کہ تیسری صورت میں میری مراد ہے کہ عمرہ کے احرام کو حج کے احرام پر داخل کرنے میں مخالفتِ سنّت کے واسطے سے اسائت ہے۔ .الخ

آفاقی اگر طواف کے اکثر چکروں سے قبل حج کا احرام باندھ لیتا ہے یا عمرہ کا طواف کرنے سے قبل حج کا احرام باندھ لے تو وہ قارن ہے اور اُس پر دَمِ شکر واجب ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی لکھتے ہیں:

فالآفاقی إذا أدخل الحجَّ علی العمرة، فإن كان قبل أن يطوف لها أكثره أو لم يطف شيئاً، فقارنٌ و عليه دمُ شكرٍ (٥)

یعنی، پس آفاقی نے جب حج کو عمرہ پر داخل کیا پس اگر اکثر طواف سے قبل کیا یا بالکل طواف نہ کیا (تھا) تو وہ ''قارن'' ہے اور اُس پر دَم شکر لازم ہے۔

اس کے تحت مُلّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ

(فقارن) أی مسنون (٦)

٤۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب اول در بیان احرام، فصل سیوم دربیان انواع احرام قران، ص٦٦

٥۔ لُبَاب المناسك عُبَابُ المسالك، باب إضافة أحد النُّسُكين إلخ، ص١٨٨

٦۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب إضافة أحد النُّسُكين، تحت قوله: فقارن، ص٤١٦

یعنی، پس وہ قارن مسنون ہے۔

اور اگر اُس نے حج کا احرام عمرہ کے طواف کے اکثر پھیروں کے بعد باندھا اور اُسی سال حج بھی کیا تو اِس کی دو صورتیں ہوں گی اگر اُسی سال حج بلا المام صحیح کیا تو متمتّع ہوگا ورنہ مفرد بالحج ہوگا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

و إن كان بعد ما طاف لها أربعة أشواط، فی أشهر الحج فهو متمتّعٌ إن حجّ من عامه بلا إلمام (٧)

یعنی، اور اگر حج کے مہینوں میں طواف عمرہ کے اکثر پھیروں کے بعد (اُس نے حج کا احرام باندھا) اگر اسی سال بلا المام حج کرے تو متمتّع ہے۔

لہٰذا مذکور شخص اگر حج کا احرام باندھ لیتا ہے تو قارن ہو جائے گا چنانچہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

سنت در قِران آنست کہ جمع کند بین العبادتین معاً یا آنکہ تقدیم کند احرام عمرہ را بر احرام حج (٨)

یعنی، حج قِران میں سنت یہ ہے کہ دونوں عبادتوں میں ایک ساتھ جمع کرے یا یہ کہ احرام عمرہ کو احرام حج پر مقدم کرے۔

علامہ ابوالوجاحۃ عبدالرحمٰن بن عیسیٰ بن مرشد عَمری مرشدی حنفی متوفی ١٠٣٧ھ لکھتے ہیں:

أما إضافة إحرام الحج إلی إحرام العمرة فهو جائز بلا كراهة (٩)

یعنی، مگر حج کے احرام کو عمرہ کے احرام کی طرف ملانا بلا کراہت جائز ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ٢ ذی الحجة ١٤٣٤ھ، ١٧ اکتوبر ٢٠١٣م 871-F

٧۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب إضافة أحد النُّسُكين إلخ، ص١٨٨

٨۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب اول در بیان احرام، فصل سیوم در بیان انواع احرام، ص٦٦

٩۔ فتح المسالك الرمز فی شرح مناسك الكنز، باب إضافة الإحرام إلی الإحرام، ق ١٠٧/أ

بغیر احرام میقات سے گزرنے والے کا حج تمتّع کرنا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آفاقی بلا احرام مکہ مکرمہ آ جاتا ہے، مسجد عائشہ سے آ کر عمرہ کا احرام باندھتا ہے اور بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا دَم بھی دیتا ہے، اسی سال اگر وہ حج کر لے تو کیا وہ متمتع ہو جائے گا یا نہیں؟ حالانکہ اُس نے میقات سے عمرہ کا احرام نہیں باندھا، اُس نے عمرہ مسجد عائشہ سے کیا ہے؟

(السائل: سید عبداللہ بن علامہ سید اعجاز نعیمی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص کا حج متمتع ہی ہوگا کیونکہ صحتِ تمتّع کے لئے میقات سے احرام باندھنا شرط نہیں ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ اور مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ کے حوالے سے ملّا حسین حنفی نقل کرتے ہیں کہ

ولا يشترط لصحة التمتُّع: إحرام العمرة من الميقات، و لا إحرام الحج من الحرم، فلو أحرم للعمرة داخل الميقات و لو من مكة، أو للحج و لو من عرفة و لم يلم بينهما إلماماً صحيحاً لرجوعه إلى وطنه حلالاً يكون متمتعاً و عليه دم لترك الميقات كما في "لباب المناسك" و "شرحه" (١٠)

یعنی، صحتِ تمتع کے لئے میقات سے عمرہ کا احرام باندھنا شرط نہیں ہے اور نہ حج کا احرام حرم سے باندھنا (شرط ہے)، پس اگر عمرہ کا احرام میقات کے اندر سے اگرچہ مکہ مکرمہ سے یا حج کا احرام اگرچہ عرفات سے باندھا اور ان دونوں کے مابین حلال ہو کر اپنے وطن کو لوٹ کر المام صحیح نہ کیا تو وہ متمتع ہوگا اور اس پر میقات سے احرام کرنے کا دَم لازم ہوگا جیسا کہ "لباب المناسك" اور اس کی ''شرح'' میں ہے۔

١٠ـ منسك الحج على مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة رضي الله عنه، مسائل شتى، ص٢٢

اور علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی اور مُلّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

(و لا يشترط لصحة التمتع إحرام العمرة من الميقات) أي كما يوهمه بعض الرّوايات (و لا إحرام الحج من الحرم) أي لكون الإحرام من الميقات من جملة الواجبات، (فلو أحرم داخل الميقات و لو من مكة أو للحج من الحلّ) أي و لو من عرفة (و لم يلم بينهما إلماماً صحيحاً) أي رجوعه إلى وطنه حلالاً (يكون متمتعاً) أي على وجه المسنون (١١)

یعنی، صحتِ تمتع کے لئے میقات سے احرام باندھنا شرط نہیں ہے جیسا کہ بعض روایات سے اس کا وہم پیدا ہوا اور نہ حج کا احرام حرم سے باندھنا (صحتِ تمتع کے لئے شرط ہے) یعنی اس لئے کہ احرام کا میقات سے ہونا من جملہ واجبات سے ہے، پس اگر (متمتع نے) عمرہ کا احرام میقات کے اندر سے اگرچہ مکہ مکرمہ سے یا حج کا احرام حل سے باندھا، اگرچہ عرفات سے اور ان دونوں (یعنی عمرہ اور حج) کے درمیان المام صحیح نہ کیا یعنی احرام سے فارغ ہو کر اپنے وطن کو نہ لوٹا تو وہ متمتع ہوگا یعنی علی وجہ المسنون (متمتع ہوگا)۔

اور اس پر میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے دَم لازم آئے گا کیونکہ ترکِ واجب کا مرتکب ہوا اس لئے کہ میقات سے احرام باندھنا واجب ہے جیسا کہ پہلے ذِکر ہوا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی اور مُلّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

(و عليه دم لترك الميقات) أي من الحرم أو الحلّ في الصورتين (١٢)

یعنی، اور اس پر میقات پر احرام کو ترک کرنے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں دَم

١١ـ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، باب التمتع، فصل: و لا يشترط لصحة التمتع إلخ، ص٤٠٤

١٢ـ لُباب المناسك و شرحه للقاري، باب التمتع، فصل: و لا يشترط لصحة التمتّع الخ، ص٤٠٤

لازم ہے،یعنی (عمرہ میں) حرم سے یا حلّ سے (احرام باندھنے کی وجہ سے)۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ۳ ذوالحجة ۱۴۳۵ھ، ۲۷ سبتمبر ۲۰۱۴ م F-936

آفاقی کا بلا احرام براستہ جدہ مکہ آنا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مدینہ منورہ سے جدہ آئے پھر مکہ مکرمہ بلا احرام آ جائے وہاں سے مسجد عائشہ جا کر عمرہ یا حج کا احرام باندھ لے تو اُس پر کیا کچھ لازم آئے گا؟

(السائل: سید عبداللہ، مدینہ منورہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص مدینہ منورہ سے جدہ اگر کسی کام کی غرض سے آئے اور وہاں سے مکہ مکرمہ کسی کام سے آ جائے تو اُسے جائز ہوگا بشرطیکہ جدہ سے مکہ آتے وقت حج یا عمرہ کی نیت نہ ہو، چنانچہ امام ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

و من كان من وراء الوقت إلى مكة فله أن يدخلها لحاجته بغير إحرام (۱۳)

یعنی، جو مکہ کی طرف میقات کے اندر ہو اس کے لئے بغیر احرام کے اپنے کام سے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی مزید لکھتے ہیں:

كوفي أراد بستان بني عامر لحاجة، ثم بدأ له بعد ما قدم البستان أن يحج فأحرم من البستان فلا شيء عليه، و إن أراد أن يدخل مكه بغير إحرام لحاجة فله ذلك (۱۴)

۱۳۔ كتاب الأصل المعروف بالمبسوط، كتاب المناسك، باب المواقيت، ۲/۴۳۱

۱۴۔ كتاب الأصل المعروف بالمبسوط، كتاب المناسك، باب المواقيت، ۲/۴۳۲

یعنی، کوفہ کے رہنے والے نے کسی کام سے بُستان بنی عامر کا ارادہ کیا، پھر باغ میں آنے کے بعد اُس کے لئے ظاہر ہوا کہ وہ حج کرے پس اُس نے باغ سے احرام باندھ لیا تو اُس پر کچھ نہیں ہے اور اگر وہ کسی کام سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اُس کے لئے یہ جائز ہے۔

جب وہ اس طرح مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو وہ اہلِ مکہ کے حکم میں ہو گیا، اہل مکہ عمرہ کا احرام حُدودِ حرم کے باہر سے اور حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھتے ہیں، لہٰذا وہ حج کا کرنا چاہے تو اِسی طرح کرے گا جیسے اہلِ مکہ کرتے ہیں، چنانچہ امام محمد بن الحسین قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

و مَن كان بمكة فميقاته في الحج الحرم و في العمرة الحلّ (۱۵)

یعنی، اور جو شخص مکہ مکرمہ میں ہے پس حج میں اُس کی میقات حرم اور عمرہ میں حِل ہے۔

اور اس کے تحت علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں:

لأن أداء الحج في عرفة و عرفة في الحلّ فيكون الإحرام من الحرم ليتحقّق نوع سفرٍ و هو من الحرم إلى الحل و أداء العمرة في الحرم و هو الطواف و السعي فيكون الإحرام لها من الحلّ ليتحقّق نوع سفرٍ و هو الإحرام من الحلّ إلى الحرم (۱۶)

یعنی، کیونکہ حج کی ادائیگی عرفات میں ہے اور عرفات حِل میں ہے پس (حج کا احرام) حرم سے ہوگا تاکہ حرم سے حِل کی جانب سفر متحقق ہو جائے اور عمرہ کی ادائیگی حرم میں ہے اور وہ طواف اور سعی ہے، پس اس کا احرام حِل سے ہوگا تاکہ سفر کی ایک نوع متحقق ہو جائے اور وہ حِل سے احرام باندھ کر حرم کی طرف آنا ہے۔

۱۵۔ مختصر القدوری، کتاب الحج، ص۶۶

۱۶۔ الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب الحج، مطلب في مواقيت الإحرام، تحت قوله: و من كان بمكة فميقاته الخ، ۱/۳۶۴

اور اگر جدہ سے مکہ مکرمہ آتے وقت حج یا عمرہ کی نیت کی تھی اور وہ بلا احرام مکہ مکرمہ آ گیا تو اُس پر لازم ہے کہ وہ حِل والوں کی میقات کو لوٹے اور وہاں سے حج یا عمرہ کا احرام باندھے، اگر مکہ مکرمہ سے ہی حج کا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں تو بھی اُن پر لازم ہے کہ وہ حِل کو جائیں اور وہاں جا کر تلبیہ کہیں، اگر وہ نہ وہاں سے جا کر احرام باندھے اور احرام باندھ چکا ہے تو حِل جا کر تلبیہ نہ کہے تو اُس پر بلا احرام حرم میں داخل ہونے کا دَم لازم آئے گا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ اور علامہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

(فعليهم العَود إلى وقت) أی ميقات شرعيٍّ لهم لإرتفاء الحُرمة، و سقوط الكفارة، (وإن لم يعودوا فعليهم الدم) و الإثم لازم لهم (۱۷)

یعنی، تو اُن پر میقات کی طرف لوٹنا لازم ہے یعنی، ارتفاعِ حُرمت اور سقوطِ کفّارہ کے لئے انہیں اُن کی شرعی میقات کو لوٹنا لازم ہے پس اگر نہ لوٹے تو اُن پر دَم لازم ہے اور گُناہ انہیں لازم ہے۔

اور اگر مدینہ منورہ سے آتے ہوئے میقات سے گزرتے وقت ہی حج یا عمرہ کا ارادہ تھا محض اپنی سہولت کے لئے جدہ کا راستہ اختیار کیا تھا جدہ میں کوئی کام نہیں تھا اِسی طرح وہ مکہ مکرمہ بلا احرام پہنچ گیا اور مکہ مکرمہ آ کر حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہے تو اُس نے مکہ مکرمہ کے ارادے سے میقات سے بلا احرام گزر کر گُناہ کا کام کیا جس کے لئے اُسے توبہ کرنی ہوگی اور دوبارہ میقات پر جانا ہوگا کہ وہاں جا کر احرام باندھے اور اگر احرام باندھ چکا ہے تو وہاں جا کر تلبیہ کہے، اگر وہ نہیں جاتا تو اُس پر بلا احرام میقات سے گزرنے کا دَم لازم آئے گا جو سرزمینِ حرم پر ذبح کرنا ہوگا، علامہ نظام حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

و من جاوز الميقات و هو يريد الحجّ و العمرة غير محرم فلا يخلو إما أن يكون أحرم داخل الميقات أو عاد إلى الميقات ثم أحرم، فإن أحرم داخل الميقات ينظر إن خاف فوت الحجّ متى عاد فإنه لا يعود و يمضى فى إحرامه و لزمه دم، و إن كان لا يخاف فوات

۱۷۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب فرائض الحج، ص۱۱۹

الحج فإنه يعود إلى الوقت و إذا عاد إلى الوقت فلا يخلوا ما أن يكون حلالاً أو محرماً فإن عاد حلالاً ثم أحرم سقط عنه الدّم و إن عاد إلى الوقت محرماً قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: إن لبّى سقط عنه الدم و إن لم يلب لا يسقط و عندهما يسقط من الوجهين (۱۸)

یعنی، جو میقات سے بلا احرام گزرا حالانکہ وہ حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتا تھا پھر اُس نے یا تو میقات کے اندر سے احرام باندھا ہوگا یا میقات کو لوٹا ہوگا پھر احرام باندھا ہوگا، پس اگر میقات کے اندر سے احرام باندھا ہے تو دیکھے کہ میقات کو لوٹتا ہے تو اُسے حج کے فوت ہونے کا خوف ہے تو وہ نہ لوٹے اور اسی احرام میں جائے اور اُسے دَم لازم ہوگا، اگر حج کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے وہ احرام میں میقات کو لوٹے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر (وہاں) تلبیہ کہہ لے تو دَم ساقط ہو گیا اور اگر تلبیہ نہ کہی تو ساقط نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دونوں وُجوہ میں دَم ساقط ہو جائے گا۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الأحد، ٤ ذوالحجة ١٤٣٥هـ، ٢٨ سبتمبر ٢٠١٤ م F-938

۱۸۔ الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب العاشر فی مجاوزة الميقات بغير إحرام، ۲۵۳/۱

احرام

احرام سے قبل لگائی گئی خوشبو کا بعد میں دوسرے عضو کی طرف منتقل ہونا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ مُحرِم کو احرام باندھنے کے بعد کسی عضو پر خوشبو لگ گئی اور خوشبو کی مقدار اتنی تھی کہ جب پسینہ آیا تو خوشبو ایک عضو سے بہہ کر دوسرے عضو تک پہنچ گئی تو اب اُس پر کتنے جرمانے لازم آئے ایک یا دو؟

(السائل: مولانا حافظ محمد رضوان بن غلام حسین)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں خوشبو محرم کے فعل کے بغیر خود بخود دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوئی ہے اس لئے اُسے دوسرا جرمانہ لازم نہیں آئے گا، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

لو انتقل الطِّيبُ من مكان إلى مكان من بدنه لا جزاءَ عليه اتفاقاً كذا في "الكبير" ...... غايته أنه بغير تعمّدٍ منه (۱۹)

یعنی، بدن پر اگر خوشبو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگئی تو اُس پر بالاتفاق کوئی جزاء نہیں ہے، اسی طرح ''کبیر'' میں ہے......اس کی غایت یہ ہے کہ یہ (حکم) بغیر تعمّد (یعنی قصد) کے ہے۔

شارح کے قول "لا جزاء عليه" اس پر کوئی جزاء نہیں سے مراد کہ اس پر کوئی نئی جزاء نہیں ہے، باقی رہی پہلی جزاء وہ اپنی جگہ قائم رہے گی جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے یہی ظاہر ہے، جیسا کہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

اگر رسید طیب محرم را بر عضوی پس منتقل گشت از ان جا بسوی عضوی دیگر بسبب

۱۹۔ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، باب الجنايات، فصل: في تطييب الثوب، ص۴۵۵، ۴۵۶

عرق یا غیر آن بغیر صنع محرم متعدّ دنگردد بروی کفارة (۲۰)

یعنی، اگر خوشبو محرم کے کسی عضو پر لگی پھر وہاں سے محرم کے فعل کے بغیر دوسرے عضو کی طرف بسبب پسینہ وغیرہ کے منتقل ہوگئی تو اُس پر کفارے متعدّد نہ ہوں گے۔

ہاں اگر اُس نے خوشبو کو ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف اپنے فعل سے منتقل کیا تو دوسرا جرمانہ بھی لازم آجائے گا، چنانچہ علامہ عبداللہ بن حسن عفیف کازَرُونی مکی حنفی (کان حیًّا سنة ۱۱۰۲ھ) لکھتے ہیں:

أما لو نقله هو من مكان إلى آخر يجب عليه الجزاء، لأنه بالنسبة إلى العضو الآخر المنقول إليه الطيب يكون تطيباً مستأنفاً به يجب الجزاء (۲۱)

یعنی، اگر اُس نے (خوشبو کو خود) ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا تو اس پر جزا واجب ہوگی، کیونکہ یہ دوسرے عضو کہ جس کی طرف خوشبو نقل کی گئی از سر نو خوشبو لگانا ہے اور اس سے جزاء واجب ہوتی ہے۔

اور مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

اگر خود نقل کرد طیب را از عضوے بعضوی متعدّ دگردد لزوم کفارات بروی (۲۲)

یعنی، اگر خوشبو کو ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف خود منتقل کیا تو اس پر لزوم کفارہ متعدّد ہوگا۔

والله تعالى أعلم بالصواب

يوم الأربعاء، ٤ ذو الحجة ١٤٣٤هـ، ۹ اکتوبر ۲۰۱۳ م F-874

۲۰۔ حیات القلوب فی زیارة المحبوب، باب اول در بیان احرام، فصل ششم در بیان محرمات احرام، ص۸۹

۲۱۔ أقرب المسالك فی بغية الناسك، باب الجنايات، فصل في بيان حكم استعمال المحرم الطيب، ق۲۵۹/ا

۲۲۔ حیات القلوب فی زیارة المحبوب، باب اول در بیان احرام، فصل ششم در بیان محرمات احرام، ص۸۹

کیا مُحرم عطر کی شیشی اُٹھا سکتا ہے؟

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ محرم کو خوشبو لگانا ممنوع ہے اسی طرح کپڑے میں خوشبو باندھنا بھی ممنوع ہے، تو کیا مُحرم عطر کی بند شیشی اُٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

(السائل: عبداللہ، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں عطر کی بند شیشی اُٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اس کے اوپر خوشبو نہ لگی ہو، چنانچہ علامہ ملّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

و إن ربط العُود فلا شئ علیه و إن وُجد رائحته، کذا فی "البحر الزاخر" وغیره لکن فیه: أن العُود لیس له رائحة إلا بالنّار، و لو فرض وجودُ عودٍ له رائحة بالحك مثلاً فلا شك أن حکمه کا لعنبر وغیره لأنّ العلة هی الرائحة (۲۳)

یعنی، اگر عُود (کی لکڑی) باندھی تو اُس پر کچھ نہیں ہے اگرچہ اس کی خوشبو پائی گئی اسی طرح "البحر الزاخر" وغیرہ میں ہے، لیکن اس میں ہے کہ عود کی خوشبو نہیں ہوتی مگر جلانے سے، اگر فرض کر لیا جائے کہ مثلاً کُھرچنے سے عُود سے خوشبو آتی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عنبر کی مثل ہے کیونکہ علّت خوشبو ہی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

لو ربط العُودَ لم یجب لوجود الإلصاق فی الأول دون الثانی (۲۴)

۲۳۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب الجنایات، فصل فی ربط الطیب، تحت قوله فی طرف ازاره أو ردائه لزمه دم و لو قلیلاً فصدقة، ص۴۵۶

۲۴۔ المسلك المتوسط، باب الجنایات، النوع الثانی فی الطیب، تحت قوله: لعدم الإلصاق، ص۴۴۱

یعنی، اگر عُود کو باندھا تو پہلی صورت میں اِلصاق کے پائے جانے کی وجہ سے جزاء واجب نہیں سوائے دوسری صورت کے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں کہ

اگر بہ بست در طرف جامۂ خود عُود یا صندل را یا چیزے دیگر را از آنچہ فائح نمی شود بوئے خوش از وے مگر بعلاج چنانکہ اندر ختن بر آتش یا مانند آن پس باکے نباشد (۲۵)

یعنی، اگر اپنے کپڑے کے کنارے میں عُود یا صندل یا دوسری ایسی چیز باندھی کہ جس کی خوشبو نہیں پھوٹتی مگر کسی اور فعل سے جیسا کہ آگ پر ڈالنے یا اس کی مانند کسی کام سے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عطر کی بند بوتل سے بھی خوشبو اس وقت اُٹھتی ہے جب اُس کا ڈھکن کھولا جائے بشرطیکہ عطر بوتل کے باہر نہ لگا ہوا ہو، اس لئے ایسی بند بوتل ہاتھ میں لینے اور ساتھ اُٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہوگا مگر ساتھ رکھنے میں لیک ہونے یا شیشی ٹوٹنے کا خوف رہے گا جس سے احتراز کرنا چاہئے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ٥ ذو الحجة ١٤٣٤ھ، ١٠ اکتوبر ٢٠١٣م F-875

خوشبو کا احرام کے بعد پسینے سے دوسری جگہ منتقل ہونا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے احرام باندھنے سے قبل جسم پر خوشبو لگائی، احرام باندھنے کے بعد پسینہ وغیرہ آنے کی وجہ سے بہہ کر دوسرے عضو تک پہنچ گئی، اب اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ اور اگر احرام کے کپڑوں کو لگ جائے تو کیا حکم ہوگا؟

(السائل: محمد ریحان)

۲۵۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب اول در بیان احرام، فصل ششم در بیان محرمات احرام، ص۸۸

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ جو خوشبو احرام سے قبل لگائی گئی ہو وہ احرام کے بعد بھی باقی رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و لو أجمر ثيابه قبل الإحرام و لبسها، ثم أحرم، لا شئ عليه لأنه لا بأس ببقاء الطيب الذى طيّب به قبل الإحرام (٢٦)

یعنی، اگر احرام سے قبل اپنے کپڑوں کو دھونی دی اور انہیں پہن لیا پھر احرام باندھا تو اُس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ اس خوشبو کے باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو احرام سے قبل لگائی گئی ہو۔

اور علامہ طاہر سنبل حنفی لکھتے ہیں:

لا يشبه هذا: الذى تطيب قبل أن يحرم ثم أحرم و ترك الطيب ذكره ملّا علىّ وغيره، أى فإنه لا جزاء عليه لو انتقل بعدالإحرام من مكان إلى مكان آخر من بدنه كذا فى "الفتح" و يظهر أنه اتفاقى حتى لو انتقل إلى ثوبه فكذلك لأنه يستحب له الطيب حين الإحرام (٢٧)

یعنی، یہ اُس کے مشابہ نہیں ہے کہ جس نے احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگائی پھر احرام باندھا اور خوشبو کو لگا ہوا چھوڑ دیا اسے مُلا علی قاری (٢٨) وغیرہ نے ذِکر کیا، یعنی اُس پر کوئی جزاء نہیں ہے اگر احرام باندھنے کے بعد خوشبو اُس کے جسم پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگئی اسی طرح ''فتح القدیر'' میں ہے اور ظاہر ہوا کہ یہ اتفاقی ہے یہاں تک کہ خوشبو اگر اُس کے کپڑوں کی طرف منتقل ہوگئی تو اسی طرح حکم ہے (یعنی، اُس پر کوئی جزاء نہیں) کیونکہ احرام

٢٦_ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، فصل: فى تطييب الثوب، ص٢٠١

٢٧_ ضياء الأبصار على منسك الدرّ المختار، باب الجنايات، ق٣٩/أ

٢٨_ المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط، باب الجنايات، فصل: فى تطييب الثوب، تحت قوله: لأنه لا بأس ببقاء الطيب إلخ، ص٤٥٥

کے وقت خوشبو لگانا اُس کے لئے مستحب ہے۔

کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضى الله عنها: طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَ يَوْمَ النَّحْرِ، قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ، بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ (٢٩)

یعنی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں احرام باندھنے سے قبل میں آنحضرت ﷺ کو خوشبو مَل دیا کرتی تھی جس میں مشک کی آمیزش ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَ لِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ۔ الحديث (٣٠)

یعنی، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے احرام باندھنے سے قبل آپ کو خوشبو لگائی اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنے سے قبل آپ کے حلال ہونے کے لئے (آپ کو خوشبو لگائی)۔

اور یہ بھی مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ إِحْرَامِهِ بِأَطْيَبَ مَا أَجِدُ (٣١)

یعنی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کو آپ کے احرام کے وقت اچھی خوشبو لگایا کرتی جو میں پاتی۔

واللّٰہ تعالى أعلم بالصواب

يوم الخميس، ٦ ذو الحجة ١٤٣٤هـ، ١١ اكتوبر ٢٠١٣م 876-F

٢٩_ سُنَن النّسائى، كتاب المناسك، باب إباحة الطيب عند الإحرام، برقم: ٢٦٨٨، ٥/١٤٢

٣٠_ سُنَن النسائى، كتاب المناسك، باب إباحة الطيب، عند الإحرام، برقم: ٢٦٨١، ٥/١٤٠

٣١_ سنن النسائى، كتاب المناسك، باب إباحة الطيب عند الإحرام، برقم: ٢٦٨٦، ٥/١٤٢

عطر کی شیشی ٹوٹنے سے احرام کو خوشبو لگنے کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک مُحرم کو عطر کی شیشی ٹوٹنے کی وجہ سے احرام کی چادر پر تقریباً تین جگہ عطر لگ گیا اب اس صورت میں اُس پر کیا لازم ہوگا؟ جب کہ وہ خوشبو بہت تیز نہ تھی اور نہ ہی بہت زیادہ جگہ کو لگی اور چادر تھوڑی دیر میں اُتار دی تھی۔

(السائل: حافظ محمد رضوان بن غلام حسین)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اگر عطر لگی ہوئی چادر کو ایک دن یا ایک رات تک پہنے رکھا تو صدقہ لازم آئے گا اور اس سے کم میں مٹھی بھر اناج دے کیونکہ خوشبو زیادہ ہو تو لزوم دَم کے لئے خوشبو لگے کپڑے کو ایک دن یا ایک رات تک پہنے رکھنا ضروری ہے، چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

و أما الثوب المطيّب أكثره فيُشترط للزوم الدَّم دوام لبسه يوماً (٣٢)

یعنی، جس کپڑے پر کثیر خوشبو لگی ہو تو لزوم دم کے لئے ایک دن تک مسلسل پہنے رکھنا شرط ہے۔

اور خوشبو لگا کپڑا اگر ایک بالشت ہے تو قلیل ہے کہ جس میں ایک دن یا ایک رات تک پہنے رکھنے کی صورت میں صدقہ لازم آتا ہے اس سے کم میں مٹھی بھر اناج، چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

إذا كان الطيب شبراً في شبرٍ فهو داخل في القليل فإن مكث يوماً فعليه صدقة أو أقلَّ منه فقَبضةٌ (٣٣)

یعنی، جب خوشبو ایک بالشت ہے تو وہ قلیل میں داخل ہے، پس اگر ایک دن

٣٢۔ الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الحج، باب الجنايات، تحت قوله: إن طيّب عضواً، ص١٦٦

٣٣۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، فصل: في تطييب الثوب، ص ٢٠٠

ٹھہرا تو اس پر صدقہ ہے یا اُس سے کم تو مٹھی بھر اناج ہے۔

اور علامہ یاسین بن عبداللہ میرغنی (كان حيّاً في سنة ١٢٢٠هـ) لکھتے ہیں:

و يشترط في الثوب دوامه يوماً في الدّم و دونه في الصدقة، و شبر في الثوب قليلاً (٣٤)

یعنی، کپڑے میں دم کے لئے اس (خوشبو) کا ایک دن (رات) کا دوام شرط ہے اور اس سے کم میں صدقہ ہے اور ایک بالشت کپڑے میں قلیل ہے۔

اور علامہ عبداللہ بن عفیف کازَرُونی حنفی (كان حيّاً ١١٠٢هـ) لکھتے ہیں:

(و إذا كان الطيب في ثوبه) أي المحرم (شبراً في شبرٍ) أي مقدارهما طولاً و عرضاً (فهو داخل في حدّ القليل، فإن مكث) أي دام عليه (يوماً أو ليلة) كاملة (فعليه صدقة و إلا) أي أن لا يدوم عليه يوماً أو ليلة بل دون ذلك (فقبضة) أي فيجب عليه قبضة من طعام كذا في "المجرد" و "الفتح" (٣٥)

یعنی، جب مُحرم کے کپڑے میں خوشبو ایک بالشت کی مقدار ہے یعنی لمبائی چوڑائی میں مقدار (ایک بالشت ہے) تو وہ قلیل کی حد میں داخل ہے، پس اگر مکمل ایک دن یا ایک رات (انہی خوشبو لگے کپڑوں میں) ٹھہرا تو اُس پر صدقہ ہے، ورنہ اگر ایک دن یا ایک رات نہ پہنے رکھا بلکہ اس سے کم تو ایک مٹھی ہے یعنی تو اُس پر اناج کی ایک مٹھی واجب ہے اِسی طرح "المجرد" اور "فتح القدير" میں ہے۔

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قلتُ: لكن نقلوا عن "المجرد" إن كان في الثوبِ شبرٌ في شبرٍ فمكث عليه يوماً يُطعم نصفَ صاعٍ، و إن كان أقلّ من يوم

٣٤۔ المُنتقى في حلِّ المُلتقى، باب الجنايات، ق ٤٢/ب

٣٥۔ أقرب المسالك في بغية الناسك، باب الجنايات، ق٢٥٨/......

فـقبـضة، قـال فـی الـفتـح: یفید التنصیص علی أن الشبر فی الشبر داخـل فـی الـقلیل اهـ أی حیث أوجب به صدقةً لا دماً، و مع هذا یفید اعتبار الکثرة فی الثوب لا فی الطیب إلا أنه لا یفید أن المعتبر أکثـر الثـوب، بـل ظـاهـره أن ما زاد علی الشبر کثیر موجب للدم لـکثـرة الطیب عرفاً، فرجع إلی کثرة الطیب لا فی الثوب، و علی هـذا فیـمـکن إجراء التوفیق المارّ هنا أیضاً بأن الطیب إذا کان فی نفسه کثیراً لزم الدم و إن أصاب من الثوب أقلّ من شبر، و إن کان قـلیلاً لا یـلـزم حتـی یصیب أکثر من شبر فی شبرٍ، وربما یشیر إلیه قـولهـم: لو ربط مسکاً أو کافوراً أو عنبراً کثیراً فی طرف إزاره أو ردائه لزم دم أی إن دام یوماً و لو قلیلاً فصدقة فتأمّل (٣٦)

یعنی، (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں لیکن فقہاءِ کرام نے "الـمـجرد" سے نقل کیا ہے کہ خوشبو اگر کپڑے میں ایک بالشت کی مقدار لگی ہے، پس وہ اُس پر ایک (کامل) دن ٹھہرا تو نصف صاع اناج دے اور اگر کم ہے تو ایک مٹھی، "فتح القدیر" میں ہے نص نے اس چیز کا فائدہ دیا کہ شبر فی شبر (ایک بالشت) قلیل میں داخل ہے اھ، یعنی جب اُس پر اس سے صدقہ واجب ہوا ہے نہ کہ دم، باوجود اس کے (یہ عبارت) کپڑے میں کثرت کے اعتبار کا فائدہ دیتی ہے نہ کہ خوشبو میں کثرت کا مگر یہ اس کا فائدہ نہیں دیتی کہ معتبر کپڑے کا اکثر ہے بلکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ جو ایک بالشت سے زیادہ ہو کثیر ہے دَم کا موجب ہے عُرف میں خوشبو کی کثرت کی وجہ سے، تو یہ عبارت کثرت خوشبو کی طرف لوٹی نہ کہ کپڑے میں (خوشبو کی طرف) اور اس پر یہاں گزشتہ توفیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ خوشبو جب فی نفسہٖ

٣٦ـ ردّ المحتار علی الدّرّ المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب الحج، تحت قول التنویر: إن طیب عضواً و تحت قول الدّر: المطیب أکثره، ٦٥٤/٣

کثیر ہے تو دَم لازم آئے گا اگرچہ کپڑے کے ایک بالشت سے کم کو لگی، اور اگر تھوڑی ہے تو لازم نہیں یہاں تک کہ ایک بالشت سے زیادہ کو لگے، اس کی طرف فقہاءِ کرام کا یہ قول اشارہ کرتا ہے، اگر کثیر مشک یا کافور یا عنبر اپنی تہبند یا چادر کے کنارے میں باندھا تو دَم لازم ہے یعنی جب ایک دن باندھے رکھا اور اگر تھوڑا ہے تو صدقہ ہے، پس تو غور کر۔

اس سے یہ معلوم ہوا کپڑے میں ایک بالشت کو قلیل اس وقت قرار دیا جائے گا جب خوشبو قلیل ہو اگر خوشبو کثیر ہے اور ایک بالشت کو ہی لگی ہے تو ایک دن یا رات تک پہنے رکھنے کی صورت میں دَم لازم آئے گا اور اگر خوشبو قلیل ہے تو پھر ایک بالشت ہو تو قلیل کہلائے گی جس میں ایک دن یا رات گزارنے پر صدقہ اور اس سے کم میں مٹھی بھر اناج لازم آئے گا۔

اور اس میں کپڑے اور جسم میں خوشبو کا حکم ایک دوسرے سے الگ ہونا بھی ظاہر ہوا چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

قـوله: "دوام لبسه یوماً" أشار بتقدیر الطیب فی الثوب بالزمان إلی الـفرق بینه و بین العضو، فإنه لا یعتبر فیه الزمان، حتی لو غسله من ساعته فالدم واجب کما فی "الفتح" بخلاف الثوب (٣٧)

یعنی، صاحبِ دُرمختار کا قول کہ لزومِ دَم کے لئے اُسے ایک دن تک پہنے رکھنا شرط ہے، کپڑے میں وقت کے ساتھ اندازہ کپڑے اور عضو میں خوشبو کے حکم کے مابین فرق کی طرف اشارہ ہے کہ عضو میں وقت معتبر نہیں ہے یہاں تک کہ عضو کو (خوشبو کثیر ہونے کی صورت میں) اس وقت دھو لیا تو دَم واجب ہوگا برخلاف کپڑے کے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ٧ ذو الحجة ١٤٣٤هـ، ١٢ اکتوبر ٢٠١٣ م F-877

٣٧ـ ردّ المحتار علی الدرّ المختار، باب الجنایات، تحت قول التنویر: و إن طیب عضواً، ٦٥٤/٣

جدہ سے کام اور حج کے ارادے سے بلا احرام مکہ آنے والے شخص کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص کراچی سے آیا، ریاض رات ٹھہرا پھر ریاض سے چلا، ایک اور رات جدہ میں ٹھہرا، وہاں سے بلا احرام کوئی امانت پہنچانے مکہ آ گیا اور ساتھ حج کا بھی ارادہ تھا، اب اس صورت میں کیا اُسے جائز ہے کہ حج کرے اور اس کا حج کون سا ہوگا اور اُسے کیا کرنا ہوگا جب کہ آج آٹھ کی شام ہے؟

(السائل: محمد زاہد، مدینہ منورہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اُسے چاہئے تھا کہ حج کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آتا مگر جب وہ آ ہی گیا تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنی میقات یعنی حُد ودِحرم سے باہر جاتا اور احرام باندھتا، اگر وہ ایسا کرتا تو اس پر حج کے ارادے سے بلا احرام حرم آنے کا دم ساقط ہو جاتا اور وہ اب بھی ایسا کر لے کہ حُد ودِحرم میں سے کسی جگہ سے بھی حرم کی حد سے باہر چلا جائے اور حج کا احرام اگر نہیں باندھا ہے تو وہاں سے باندھ کر آ جائے اور اگر باندھ چکا ہے وہاں جا کر تلبیہ کہنے سے اس پر لازم دم ساقط ہو جائے گا اور اگر آٹھ ذوالحجہ کی شام ہو رہی ہے تو اُسے ۹ تاریخ کی ظہر تک کا وقت ہے کہ وہ حدودِ حرم سے باہر ہو جائے اور تلبیہ کہے اور آ جائے۔ اگر ایسا بھی نہیں کرتا اور منیٰ آتا ہے اور وہاں سے عرفات چلا جاتا ہے تو بھی دم ساقط ہو جائے گا کیونکہ عرفات جانے کے لئے وہ حرم کی حد سے باہر نکلا ہے جو سقوطِ دم کے لئے اُسے کافی ہوگا، چنانچہ علامہ جمال الدین ابو علی محمد بن محمد قاضی زادہ انصاری حنفی لکھتے ہیں:

من أراد أن يدخل مكة بغير إحرام، فالحيلة فی حقه أن يقصد بستان بنی عامر أو جدّة أو غير ذلك مما كان فی نفس الحل من البلدان فإذا دخله ووصل إليه على هذا الوجه صار حكمه حكم

أهله و يجوز لهم دخول مكة بغير إحرام إن لم يريدوا نُسكاً و الأصل فی ذلك: إن كلّ من قصد مجاوزة وقتَين لا يجوز له أن يتعدّى الميقات إلا محرماً، و من قصد مجاوزة ميقاتٍ واحدٍ جاز له مجاوزة الميقات غير محرم و المراد بالميقاتَين ميقات أهل الآفاق و ميقات أهل الحلّ كما أفاد ذلك عبارة "المجمع" و "الطرابلسی" و ذلك لأنّ النّبیّ ﷺ و الصحابة أتوا بدراً مرّتين و كانوا مسافرِين للجهاد و غيره فيمرّون بذی الحليفة و لا يحرمون و لا يرون بذلك بأساً و لا فرق بين أن ينوی الإقامة فی البستان خمسة عشر يوماً أو لم ينو، و فی 'شرح نظم الكنز": و ينبغی لمن يريد دخول مكة بغير إحرام أن ينوی حين خروجه من داره الإقامة بها لحاجةٍ بمكانٍ داخل المواقيت ليسقط عنه الإحرام على الوجه الأحوط، انتهی

و البستان موضع بقرب عرفات منه إلى مكة أربعة و عشرون ميلاً و من ذات عرق البستان اثنان و عشرون ميلاً كذا فی "المنتقى" وغيره (۳۸)

یعنی، جو شخص بغیر احرام داخل ہونے کا ارادہ کرے اُس کے حق میں حیلہ یہ ہے کہ وہ باغ بنی عامر یا جدہ یا نفسِ حِل کے شہروں میں سے کسی جگہ کا ارادہ کرے، پس جب وہاں داخل ہوا اور اس طریقے سے پہنچ گیا تو اُس کا حکم وہاں کے رہنے والوں کا سا ہوگا اور اُن کے لئے بغیر احرام مکہ داخل ہونا جائز ہے جب کہ حج یا عمرہ کسی نُسُک کا ارادہ نہ رکھتے ہوں۔

اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو دو میقاتوں سے گزرنے کا ارادہ رکھتا

۳۸۔ الضوء المنير على المنسك الصغير، باب المواقيت، فصل: فی محاوزه الميقات بغير إحرام، ق ۷۱/ب

ہوتو اُس کے لئے جائز نہیں کہ بغیر احرام میقات سے گزرے اور جو شخص ایک میقات سے گزرنے کا ارادہ رکھتا ہوتو اُس کے لئے دوسری میقات (یعنی حُد ودِ حرم) سے بلا احرام گزرنا جائز ہے، اور دو میقاتوں سے مراد اہلِ آفاق کی میقات اور اہلِ حِل کی میقات اور "المجمع" اور "طرابلسی" کی عبارت نے اس کا افادہ کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان دو بار بدر شریف آئے اور وہ جہاد وغیرہ کے لئے مسافر تھے، پس وہ ذوالحلیفہ سے گزرتے اور احرام نہیں باندھتے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ باغ (مذکور) میں پندرہ دن اقامت کی نیت کریں یا نہ کریں اور "شرح نظم الكنز" میں ہے کہ جو شخص مکہ بغیر احرام داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہواُسے چاہئے کہ اپنے گھر سے نکلتے ہی وہاں ایسی جگہ جو میقات کے اندر ہو کسی کام کی غرض سے اقامت کی نیت کرلے تاکہ اُس سے احرام عَلَی الوَجہِ الاَحوَط ساقط ہوجائے۔ انتہی

اور باغ (بنی عامر) عرفات کے قریب مکہ مکرمہ سے چوبیس میل اور ذاتِ عرق سے باغ بائیس (۲۲) میل ایک جگہ ہے اسی طرح "المنتقی" وغیرہ میں ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں ہے، احتیاط اس میں ہے کہ جب گھر سے نکلے تو حِل میں کسی مقام پر کام کرنے کا ارادہ کرے مگر بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب میقات سے گزر رہا ہو اُس وقت وہ حِل میں کسی جگہ کام کا ارادہ کرے چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

و المعتبر القصد عند المجاوزة لا عند الخروج من بيته كما سيأتي في الجنايات (٣٩)

یعنی، گزرتے وقت کے قصد کا اعتبار ہے نہ کہ گھر سے نکلتے وقت جیسا کہ

٣٩۔ ردّ المحتار على الدر المختار، كتاب الحج، مطلب: في المواقيت، تحت قول التنوير: و لو لحاجة و قول الدر: أما لو قصد موضعاً من الحل، ٥٥٢/٣

جنایات میں عنقریب آئے گا۔

اور "باب الجنایات" میں لکھتے ہیں:

و لو كان قصد الحاجة التي هي علّة إرادته دخول البستان عند مجاوزة الميقات، أما بعد المجاوزة فلا يعتبر قصد الحاجة لكونه عند المجاوزة كان قاصداً مكة فلا يسقط الدم ما لم يرجع و أفاد أنه لو قصد دخول البستان لحاجة قبل المجاوزة فهو كذلك بالأولى و إن قصده لذلك من حين خروجه من بيته غير شرط (٤٠)

یعنی، اگر میقات سے گزرتے وقت حاجت کا قصد کیا جو (حاجت) باغ میں داخل ہونے کے لئے اُس کے ارادے کی علّت ہے، مگر میقات سے گزر جانے کے بعد حاجت کا قصد معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ میقات سے گزرتے وقت قاصدِ مکہ تھا لہٰذا اُس سے دم ساقط نہیں ہوگا جب تک میقات کو نہ لوٹے، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اگر وہ کسی کام سے باغ میں داخل ہونے کا ارادہ میقات سے گزرنے سے پہلے کرلے تو وہ بطریقِ اَولیٰ اِسی طرح ہے اور بے شک اُس کا گھر سے نکلتے وقت اُس کا قصد کرنا (یعنی کسی کام سے حِل میں واقع باغ میں داخل ہونے کا قصد) شرط نہیں ہے۔

اور پھر صاحبِ بحر کی عبارت نقل کی جس کا حاصل یہ ہے کہ بلا احرام میقات سے گزرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کا سفر ہی حِل جانے کے لئے ہو اور اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں:

قال في 'النهر": الظاهر أن وجود ذلك القصد عند المجاوزة كافٍ، و يدلّ على ذلك ما في "البدائع" بعد ما ذكر حكم المجاوزة بغير إحرام قال: هذا إذا جاوز أحد هذه المواقيت الخمسة يريد الحج أو العمرة أو دخول مكة أو الحرم بغير إحرام،

٤٠۔ ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، تحت قول التنوير: دخل كوفي البستان لحاجة، و تحت قول الدر: و لو عند المجاوزة، ٧٠٩/٣

فأما إذا لم يرد ذلك و إنما أن يأتي بستان بنی عامر أو غيره لحاجة فـلا شئ عليه اه فاعتبر الإرادة عند المجاوزة كما ترى اه أی إرادة الحج و نحوه و إرادة دخول البستان فالإرادة عند المجاوزة معتبر فيهما، و لذا ذكر الشارح ذلك فی الموضعين كما قدّمناه، فافهم، و قـول البـحـر: فلا بد من وجود قصد مكان مخصوص من الحلّ غير ظاهر، بل الشرط قصد الحلّ فقط، تأمّل (٤١)

یعنی، ''نهـر الـفـائق'' میں فرمایا ظاہر ہے کہ میقات سے گزرتے وقت اس قصد کا پایا جانا کافی ہے، اِس پر وہ دلالت کرتا ہے جو ''بـدائع الصنائع'' میں بلا احرام میقات سے گزرنے کا حکم بیان کرنے کے بعد ذِکر کیا، فرمایا کہ یہ اُس وقت ہے جب پانچ مواقیت میں سے کسی میقات سے حج یا عمرہ یا مکہ یا حرم بلا احرام داخلے کے ارادے سے گزرے، پس جب یہ ارادہ نہیں ہے وہ تو صرف باغِ بنی عامر یا کسی اور جگہ کسی کام سے آتا ہے تو اُس پر کچھ نہیں ہے۔ اھ، پس (صاحبِ بدائع نے) میقات سے گزرتے وقت ارادے کا اعتبار کیا جیسا کہ آپ نے دیکھا اھ۔ یعنی، حج وغیرہ کا ارادہ یا (حِل میں واقع) باغ میں داخل ہونے کا ارادہ، پس دونوں میں (میقات سے) گزرنے کے وقت کا ارادہ معتبر ہے، اسی وجہ سے شارح (علامہ حصکفی) نے دونوں جگہوں پر ذِکر کیا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، پس تو سمجھ، پس صاحبِ بحر کا قول کہ حِل کی مخصوص جگہ کے قصد کا پایا جانا ضروری ہے، یہ غیر ظاہر ہے بلکہ فقط حِل کا قصد شرط ہے۔ تو غور کر۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ گھر سے جس ارادے سے بھی آئے گا اُس کا اعتبار نہیں ہوگا اعتبار اُس ارادے کا ہوگا جب وہ میقات سے گزر رہا ہو، میقات آفاقی کی ہو یا حِل کے رہنے والے کی،

٤١۔ ردّ الـمـحـتـار، كتـاب الـحـج، باب الجنايات، مطلب: لا يجب بكسر الات اللهو، تحت قوله: ''و لو عند المجاوزة، ٧٠٩/٣

مذکورہ شخص جب کراچی سے ریاض آیا پھر جدہ آیا دونوں جگہ ایک ایک رات رہا پھر جب وہ حرم یا مکہ آیا تو اُس کا قصد سامان پہچانے اور حج کرنے کا بھی تھا تو اُسے چاہئے تھا کہ احرام باندھ کر حرم میں داخل ہو جب احرام نہ باندھا تو چاہئے کہ حج کا احرام میقات یعنی حدودِ حرم سے باہر جا کر باندھے۔

والله تعالى أعلم بالصواب

يوم الأحد، ٨ ذو الحجة ١٤٣٤هـ، ١٣ اكتوبر ٢٠١٣ م 878-F

محرم کو مچھر نے کاٹا ہاتھ مارنے پر مر گیا تو کیا حکم ہوگا؟

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہم عرفات میں تھے اور وہاں مچھر کافی تھے، ایک بار مچھر نے گردن کے پیچھے کاٹا اور ہاتھ مارنے سے مر گیا، اس صورت میں جب کہ ہم احرام میں تھے اور میدانِ عرفات میں تھے، کچھ لازم آئے گا یا نہیں؟

(السائل: محمد الیاس، لبیک حج وعمرہ سروسز، کراچی)

باسمه تعالىٰ وتقدس الجواب: صورتِ مسؤلہ میں کچھ بھی لازم نہیں کیونکہ حشرات الارض کو حِل، حرم اور احرام میں قتل کرنے پر کچھ لازم نہیں آتا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و لا شيء بقتل هوامّ الأرض (٤٢)

یعنی، حشرات الارض کے قتل پر کچھ لازم نہیں۔

اور اِس کے تحت مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ

أی حشـراتهـا فی الحِلّ و الحرم و الإحرام و لا جزاء و لا إثم على فعلها (٤٣)

٤٢۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب الـمسالك، باب الجنايات، فصل: فيما لا يجب شيء بقتله فی الإحرام و الحرم، ص٢٣٤

٤٣۔ الـمسلك الـمتـقسـط فی المنسك المتوسط، باب الجنايات، فصل: فيما لا يجب شيء بقتله فی الإحرام و الحرم، تحت قوله: و لا شيء بقتل هوامّ الأرض، ص٥٣٦

یعنی، حِل، حرم اور احرام کی حالت میں ہوام الارض (یعنی حشرات الارض) کو قتل کرنے کی صورت میں کوئی جزاء نہیں اور نہ اِس فعل پر کوئی گُناہ ہے۔

اور علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

لا شيء بقتل غراب وحدأة و ذئب و عقرب، و حية، فأرة، كلب عقور و بعوض إلخ (٤٤)

یعنی، کوے (٤٥) چیل، بھیڑیئے، بچھو، سانپ، چوہے، باولے کتے اور مچھر کو مارنے میں کچھ نہیں ہے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

باکے نباشد بقتل موذیات از حشرات الارض چنانکہ مار وکژدم وموش خانگی الخ (٤٦)

یعنی، موذی حشرات الارض کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسے سانپ، بچھو، گھریلو چوہا۔

اور فقہاء کرام نے مچھر کے لئے عربی زبان میں ”بعوض“ کا لفظ لکھا ہے اس کے تحت علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قوله: و ”بعوض“ و هو صغير البق، و لا شيء بقتل الكبار و الصغار، ”شرنبلالية“ (٤٧)

یعنی، اور مچھر وہ چھوٹا مچھر ہے کہ چھوٹے اور بڑے کو مارنے میں کوئی جزاء نہیں ہے۔ ”شرنبلالية“

٤٤۔ تنوير الأبصار مع شرحه للحصكفی، كتاب الحج، باب الجنايات، ص١٦٩

٤٥۔ کوے سے مراد وہ کوا ہے جو گندگی کھاتا ہے جیسا کہ علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:
و المراد بالغراب الذی يأكل الجيف إلخ (الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات)

٤٦۔ حيات القلوب فی زيارت المحبوب، باب در بيان احرام، فصل ششم در بيان محرماتِ احرام، ص٩١

٤٧۔ ردّ المحتار على الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، تحت قول التنوير: و بعوض، ٦٩٠/٣

فقہاء کرام نے لکھا ہے ان کے قتل میں جس طرح کوئی جزاء نہیں ہے اسی طرح کوئی گُناہ بھی نہیں ہے، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

و لا جزاء بقتلها و لا إثم على فعلها (٤٨)

یعنی، ان کے مارنے میں نہ کوئی جزاء ہے اور نہ اس فعل پر کوئی گناہ ہے۔

اور اگر یہ ایذاء نہیں پہنچاتے تو ان کو قتل نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

لكن لا يحلّ قتل ما لا يؤذی (٤٩)

یعنی، لیکن جو ایذاء نہیں دیتے انہیں قتل کرنا حلال نہیں ہے۔

اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں:

استدراك على الإطلاق فی النمل، فإن ظاهره جواز إطلاق قتله بجميع أنواعه مع أن فيه ما لا يؤذی، و هذا الحكم عام فی كل ما لا يؤذی كما صّرحوا به فی غير موضع۔ (٥٠)

یعنی، یہ چیونٹی میں مطلق جواز کے اطلاق پر استدراک ہے، پس بے شک اس کا ظاہر (حشرات الارض کی) جمیع انواع کے قتل کے جواز کا مطلق ہونا ہے اس میں وہ بھی ہیں جو ایذاء نہیں دیتے، یہ حکم ہر اُس میں عام ہے جو ایذاء نہیں پہنچاتے جیسا کہ اس کی تصریح اس جگہ کے غیر میں فقہاء کرام نے کی ہے۔

اس حقیر کی اس باب میں رائے ہے کہ وہ حشرات الارض کہ جن سے ایذاء کا امکان قوی ہوتا ہے جیسے سانپ، بچھو وغیرہ تو ان کو مارنے میں قباحت نہ ہو اور وہ کہ جن سے ایذاء کا امکان بہت کم ہوتا ہے جیسے چیونٹی وغیرہ تو اُسے مارنے سے اجتناب کرنا چاہئے، انہیں اُس

٤٨۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب الجنايات، فصل: فيما لا يجب شيء فی قتله إلخ، ص٥٣٦

٤٩۔ الدّر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، ص١٦٩

٥٠۔ ردّ المحتار على الدّر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، تحت قول التنوير: بعوض و نمل، و تحت قول الدّر: لكن لا يحل إلخ، ٦٩٠/٣

وقت نہ مارا جائے جب تک ایذا نہ دیں۔

اور مچھر اُن ہی سے ہے کہ جن سے ایذاء کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی عادت سے ہے کہ جب بھی جسم پر بیٹھتا ہے تو کاٹتا ضرور ہے اور اس کے کاٹنے سے ملیریا اور ڈینگی جیسے خطرناک امراض کے پیدا ہونے کا ڈر رہتا ہے۔

والله تعالی أعلم بالصواب

یوم الأحد، ۱۵ ذو الحجة ۱٤۳٤ھ، ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۳ م 884-F

حالتِ احرام میں دونوں ہاتھوں کے ناخن مختلف مجالس میں کاٹنے کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے حج کے احرام میں اپنے دو ہاتھوں کا ایک ایک ناخن دو مختلف مجالس میں توڑا تو اُس پر کیا لازم آئے گا؟

(السائل: محمد جنید بن عبدالرحیم، لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز مکہ)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: حالتِ احرام میں ناخن تراشنا یا توڑنا جائز نہیں ہے، چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

إذا لم یبق علی المحرم غیر التقصیر فبدأ بقص أظفاره، أو أخذ من لحیته أو شاربه شیئًا فعلیه کفارة، ذلك لأنه محرم ما لم یقصر أو یحلق (۵۱)

یعنی، جب محرم پر تقصیر (یا حلق) کے علاوہ کچھ نہ رہا تو وہ ناخن تراشنے یا داڑھی کاٹنے یا مونچھیں لینے میں شروع ہوا تو اس پر کفّارہ ہے کیونکہ جب تک وہ قصر یا حلق نہ کروائے محرم ہے۔

اور امام ابومنصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

و لیس للمحرم أن یقلم الأظفار قبل الحلق أو التقصیر لبقائه فی

۵۱۔ کتاب الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، کتاب الحجّ، باب الحلق، ۲/۳٦٤

الإحرام (۵۲)

یعنی، محرم کے لئے قصر یا حلق سے قبل ناخن تراشنا جائز نہیں اس کے احرام میں باقی ہونے کی وجہ سے۔

لہٰذا اگر کوئی اِس جرم کا مرتکب ہوگا تو شریعت نے جو اُس کا جرمانہ مقرر کیا ہے اُسے ادا کرنا ہوگا، ایک ناخن سے چار ناخن تک صدقہ اور کامل ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے پانچوں ناخن پر قربانی (۵۳)، چنانچہ علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۱٦۱ھ لکھتے ہیں:

لو قلم خمسة أظافیر من الأعضاء الأربعة المتفرقة تجب الصدقة لکل ظفر نصف صاع (۵٤)

یعنی، اگر چاروں ہاتھ پاؤں میں سے پانچ ناخن متفرق طور پر تراشے تو ہر ناخن کے عوض ایک صدقہ واجب ہوا۔ (۵۵)

اور علامہ احمد بن محمد ابن اقبال حنفی لکھتے ہیں:

لو قصّ أظافیر یدٍ کاملةٍ أو رجلٍ فعلیه دم، و فی الأقلّ لکلّ أصبع طعام مسکین، و قد قصّ خمسةأظافیر من الیدین فعلیه صدقة (۵٦)

یعنی، ایک مکمل ہاتھ یا پاؤں کے ناخن تراشے تو اس پر دم ہے اور کم میں ہر انگلی میں ایک مسکین کا کھانا (یعنی صدقہ فطر کی مقدار) ہے اور اگر دونوں ہاتھ کے پانچ ناخن تراشے تو اُس پر صدقہ ہے۔

اور علامہ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی حنفی متوفی ۱۱٤۳ھ لکھتے ہیں:

إذا قصّ أظافیر یدیه أو رجلیه أو یدٍ واحدةٍ أو رِجلٍ واحدةٍ فی مجلسٍ واحدٍ فعلیه دمٌ، و إن کان أقل من یدٍ أو رِجلٍ فعلیه لکلّ

۵۲۔ المسالك فی المناسك، فصل: کفارة جنایة الحلق، ۲/۷۵۵

۵۳۔ الحج، ناخن کترنا، ص۵۱

۵٤۔ الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثالث فی حلق الشعر و قلم الأظفار، ۱/۲٤٤

۵۵۔ الحج، ناخن کترنا، ص۵۲

۵٦۔ البحر الزّاخر، کتاب الحج، باب الجنایات، ق ۳۷/أ

ظفر نصف صاع (۵۷)

یعنی، جب دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں کے یا ایک ہاتھ ایک پاؤں کے ناخن ایک مجلس میں تراشے تو اُس پر دَم ہے اور اگر ایک ہاتھ پاؤں سے کم ہے تو ہر ناخن کے عوض نصف صاع (یعنی ایک صدقہ) ہے۔

لہٰذا مذکور شخص نے جب دو مجلسوں میں دو ہاتھوں کے ایک ایک ناخن کو تراشا ہے تو اس پر دو صدقے لازم آئے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ١٦ ذو الحجة ١٤٣٤ھ، ٢١ اکتوبر ٢٠١٣ م F-885

حج یا عمرہ کے احرام میں جدہ جانے کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر حج یا عمرہ ادا کرکے اس کا احرام کھولے بغیر کسی ضروری کام سے جدہ چلا جائے تو اُس پر کچھ لازم آئے گا؟

(السائل: ایک حاجی، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا، محرم اگر حالتِ احرم میں آفاق میں اپنے گھر سے بھی ہو کر آجائے تو بھی اُس پر کچھ لازم نہیں آئے گا جیسا کہ کُتُبِ فقہ میں اِس کی تصریح موجود ہے۔

یہاں تو وہ میقات کے اندر حل میں گیا ہے، محرم کا میقات کے اندر جانا ایسا ہی ہے جیسے وہ مکہ مکرمہ میں ہی ہے، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

(و الرجوع إلی داخل المیقات بمنزلة مکة) أی بمنزلة رجوعه إلی مکة (۵۸)

۵۷۔ الإبتهاج بمناسك الحاج، ق ۱۲/أ

۵۸۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب التمتع، تحت قوله: و الرجوع إلی داخل، ص۳۸۲

یعنی، میقات کے اندر لوٹنا مکہ کے مرتبے میں ہے یعنی اُس کے مکہ کو لوٹنے کے مرتبے میں ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم ، ذوالحجة ١٤٣٥ھ، سبتمبر ٢٠١٤ م F-941

احرام سے باہر ہونے کے لئے نیت کی حیثیت

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی عورت نے ماہواری کے سبب عمرہ کا احرام کھول کر حج کا احرام باندھا ہو تو کیا خلاف احرام عمل کرنے سے وہ احرام سے باہر ہو جائے گی یا احرام کھولنے کی نیت سے ایسے اعمال کرنا ضروری ہوں گے کہ جو احرام میں ممنوع ہیں؟

(السائل: ایک حاجی، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں ایسی عورت کا صرف ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرنا احرام عمرہ سے فارغ ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا۔ اس لئے وہ جتنی جنایات کرے گی اُتنے کفّارے لازم آئیں گے، بلکہ اُسے احرام سے باہر ہونے کی نیت کرنا ضروری ہوگی کہ ممنوعاتِ احرام کا ارتکابِ احرام سے باہر ہونے کی نیت سے کرے، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

(کلّ من لزمه الرّفض) أی رفض الحج أو العمرة (یحتاج إلی نیة الرّفض) أی لیرتفض (۵۹)

یعنی، ہر وہ محرم جسے حج یا عمرہ کو چھوڑنا لازم ہو وہ چھوڑنے کی نیت کا محتاج ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم ، ذوالحجة ١٤٣٥ھ، سبتمبر ٢٠١٤ م F-942

۵۹۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب إضافة أحد النسکین، تحت قوله: و کل من لزمه الرفض، ص۴۱۹

طواف

طواف عمرہ کے دوران کسی کا اُسے خوشبو لگا دینا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص عمرہ کے احرام میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے محرم کا ہاتھ پکڑا اور عطر لگا دیا، اس صورت میں جب کہ اُس کا کوئی قصور نہیں ہے کیا اُس پر کوئی شرعی جرمانہ لازم آئے گا یا نہیں؟

(السائل: از اروما، کاروانِ مدینہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص پر ایک صدقہ لازم آئے گا اور یہ شخص گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ تعدّی اس کی طرف سے نہیں پائی گئی کہ نہ اس نے حکم دیا اور نہ ہی فاعل کے اس فعل پر راضی ہوا، چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نے جسم پر خوشبو لگانے کے بارے میں عبارات فقہاء کو جمع کرتے ہوئے لکھا:

> لو طيّب بالقليل عضواً كاملاً أو بالكثير رُبع عضوٍ لزم الدّمَ و إلّا فصدقة، و صحّحه فی "المحيط" (٦٠)

> یعنی، تھوڑی خوشبو پورے عضو پر لگائی یا بہت خوشبو چوتھائی عضو پر تو قربانی واجب ہوئی ورنہ صدقہ اور "محیط" میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

اور مذکورہ شخص کو جو خوشبو لگائی گئی وہ تھوڑی ہوگی تو کامل عضو کو نہیں لگی اور اگر زیادہ ہوگی تو چوتھائی کو نہ لگی کیونکہ لگانے والے نے اس محرم کی غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِس جرم کا ارتکاب کیا اور متبادر یہی ہے کہ اُس نے جلدی میں خوشبو لگائی اور غائب ہو گیا تو زیادہ خوشبو

٦٠۔ ردّ المحتار على الدرّ المختار، باب الجنايات، تحت قوله: (إن طيب عضواً) كاملاً، ٦٥٣/٣

کا احتمال کم ہے اگر زیادہ بھی ہو تب بھی چوتھائی عضو کو نہ لگی ورنہ احتمال قلیل کا ہی قوی ہے جو کامل عضو کو نہ لگی اس لئے صدقہ ہی لازم آئے گا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ خوشبو اُس نے خود نہیں لگائی نہ حکم دیا تو اُس پر جرمانہ کیسا تو اس کے لئے عرض یہ ہے کہ جزاء بہرصورت لازم آئے گی چاہے اُس نے خود لگائی یا کسی اور نے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

> ثم لا فرق فی وجوب الجزاء فيما إذا جنى: عامداً أو خاطئاً، مبتدأً أو عائداً، ذاكراً أو ناسياً، عالماً أو جاهلاً، طائعاً أو مكرهاً، نائماً أو منتبهاً، سكراناً أو صاحياً، مغمى عليه أو مفيقاً، معذوراً أو غيره، موسراً أو معسراً، بمباشرته أو بمباشرة غيره، بأمره أو بغير أمره، ففی هذه الصور أجمعها يجب الجزاء
>
> و هذا هو الأصل عندنا، لا يتغيّر غالباً، فاحفظه (٦١)
>
> قال فی "اللباب": ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بين ما أذا جنى عامداً أو خاطئًا، مبتدءً أو عائداً، ذاكراً أو ناسياً، عالماً أو جاهلاً، طائعاً أو مكرهاً، نائماً و منتبهاً، سكراناً أو صاحياً، مغمى عليه أو مفيقاً، موسراً أو معسراً، بمباشرته أو مباشرة غيره بأمره (٦٢)

یعنی، پھر وجوب جزاء میں کوئی فرق نہیں، اُس صورت میں جب جنایت کرے جان بوجھ کر یا خطا کے طور، شروع کرتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے یاد رکھتے ہوئے یا بھول کر، علم رکھتے ہوئے یا لاعلمی میں، برضا یا جبراً، سوتے ہوئے یا جاگتے ہوئے، نشے کی حالت میں یا صحیح حالت میں، بے ہوشی میں یا

٦١۔ لُباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، ص ١٩٢
أيضاً ردّ المحتار على الدّر المختار، باب الجنايات، تحت قوله: و لو ناسياً، ٦٥٢/٣

٦٢۔ رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، تحت قوله: و لو ناسياً، ٦٥٢/٣

افاقے میں، کسی عذر سے یا بغیر عذر کے، تونگری میں یا تنگدستی میں، مباشر یا غیر مباشر، اپنے حکم سے یا بغیر اس کے، پس ان تمام صورتوں میں جزاء لازم ہے۔

اور یہ ہمارے نزدیک قاعدہ ہے جو غالباً تبدیل نہیں ہوتا، پس اسے یاد کرلو۔

''لباب'' میں کہا: پھر وُجوبِ جزاء میں کوئی فرق نہیں اس صورت میں جب جنایت کرے اور یہ جنایت جان بوجھ کر یا خطا کے طور پر، یا شروع کرتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے، یاد رکھتے ہوئے یا بھول کر، علم رکھتے ہوئے یا لاعلمی میں، برضا یا جبراً، سوتے ہوئے یا جاگتے ہوئے، نشے کی حالت میں یا صحیح حالت میں، بے ہوشی میں یا افاقے میں، تونگری میں یا تنگدستی میں، مباشر یا غیر مباشر اپنے حکم سے۔

فرق صرف یہ ہے کہ یہ جُرم اُس نے جان بوجھ کر نہیں کیا، اس لئے اس میں وہ گُنہگار نہ ہوگا اور پھر جرم غیر اختیاری ہو اور اس میں کفّارہ ایک ہی صدقہ فطر لازم آیا ہو تو عدم استطاعت کی صورت میں اس کی جگہ ایک روزہ رکھ سکتا ہے، چنانچہ علامہ سید سلیمان اشرف لکھتے ہیں: اگر وہ جرم غیر اختیاری ایسا ہے کہ اُس کا کفّارہ ایک ہی صدقہ یعنی نصف صاع گیہوں ہے تو عدم استطاعت کے وقت یہ عوض صدقہ ایک روزہ رکھ لے۔(۶۳)

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء، ۳ ذو الحجة ۱۴۳۴ھ، ۸ اکتوبر ۲۰۱۳م F-873

دورانِ طواف بیوی کا ہاتھ تھامنے سے شہوت پیدا ہونا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عمرہ میں اِس طرح طواف کیا کہ اُس نے اپنی بیوی کا ہاتھ تھاما ہوا تھا، دورانِ طواف اُسے شہوت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ چند قطرے مذی کے بھی نکل آئے، اس حال میں اُس نے

۶۳۔ الحج، محرم کو جن باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے، ص۳۸

طواف مکمل کیا اور سعی کرکے حلق کروادیا، اب اُس پر کیا لازم آئے گا؟

(السائل: C/O صاحبزادہ نذیر جان، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اُس سے دو جرم سرزد ہوئے، ایک حالت احرام میں جماع ودواعی جماع حرام ہیں جس سے وہ دواعی جماع کا مرتکب ہوا، دوسرا بے وضو طوافِ عمرہ مکمل کرنے کا جرم، دواعی جماع کے ارتکاب پر دَم لازم آیا اور بے وضو طواف کی صورت میں اعادہ اور اعادہ نہ کرنے کی صورت میں اُس پر اس کا بھی دَم لازم آئے گا۔

پہلا جرم: (حالت احرام میں) عورت سے ایسا اختلاط جس سے دونوں کو لذت حاصل ہو قربانی واجب کرتا ہے، لیکن اگر بوس وکنار (اور چھونا) بغیر شہوت ولذت کے عمل میں آئے تو اس پر کچھ کفارہ نہیں مگر یہ ایک فعل عبث ولایعنی ہے جس سے احتراز ضروری ہے(۶۴)

چنانچہ امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ اور علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

إن قبّل أو لَمَسَ بشهوة فعليه دم (٦٥)

یعنی، شہوت کے ساتھ بوسہ لینا اور مساس (چھونا) قربانی (یعنی دَم) کو واجب کرتا ہے۔(٦٦)

اور علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و لو جامع فيما دون الفرج قبل الوقوف أو بعده باشَرَ أو عانقَ أو قبّل أو لَمَسَ بشهوة فأنزل أو لم ينزل فعليه دَم (٦٧)

٦٤۔ الحج، عورت سے صحبت وبوس وکنار، ص۵۳

٦٥۔ مختصر القدوری، کتاب الحج، باب الجنایات المحرم، ص۷۲
الهداية، كتاب الحجّ، باب الجنايات، فصل: فإن نظر إلى إلخ، ١-٢/١٩٧

٦٦۔ الحج، عورت سے صحبت وبوس وکنار، ص۵۳

٦٧۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، النوع الرابع: فی حکم الجماع و دواعیة، فصل: فی حکم دواعی الجماع، ص٢١٢

یعنی، اور اگر جماع کیا شرمگاہ کے علاوہ میں وقوف سے پہلے یا بعد یا شہوت کے ساتھ مباشرت کی یا بوسہ لیا یا چُھوا، اِنزال کیا یا نہ کیا اس پر دَم لازم ہے۔

اور ملّا علی قاری حنفی اِس کے تحت لکھتے ہیں:

كما فی "المبسوط" و "الهداية" و "الكافی" و "البدائع" و "شرح المجمع" وغيرها (٦٨)

یعنی، جیسا کہ "مبسوط"، "ھدایہ"، "بدائع الصنائع" اور "شرح المجمع" وغیرہا میں ہے۔

اور علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

إن ...... لَمَسَ بشهوة أنزل أو لا (٦٩)

یعنی، اگر شہوت کے ساتھ چُھوا اِنزال ہو یا نہ ہو (دَم واجب ہے)۔

اور علامہ حسین بن اسکندر حنفی متوفی ۱۰۸۴ھ لکھتے ہیں:

أو لمس بشهوة أنزل أو لا أی يجب عليه الدم (٧٠)

یعنی، یا شہوت کے ساتھ چھوا انزال کیا یا نہ کیا اس پر دَم واجب ہے۔

اور مفتی مکہ علامہ ابوالوجاہت عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدی عمری مکی حنفی متوفی ۱۰۳۷ھ لکھتے ہیں:

(و تجب) عليه (شاة) فقط (إن قبّل) بشهوة، (أو لمس بشهوةٍ)، أو جامع فيمادون الفرج أنزل أو لم ينزل، و هذا على رواية "الأصل" (٧١)

٦٨۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب الجنايات، النوع الرابع فی حكم الجماع و دواعيه، فصل: فی حكم دواعی الجماع، تحت قوله: فعليه دم، ص٤٨٦

٦٩۔ تنوير الأبصار، كتاب الحج، باب الجنايات، ص١٦٧

٧٠۔ منسك الحج على مذهب الإمام الأعظم أبی حنيفة رضی الله عنه، ص١٦٣ب

٧١۔ فتح مسالك الرمز فی شرح مناسك الكنز، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: فی بيان أحكام الجماع المحرم و ما يتعلق به، ق ٧٨/ب

یعنی، اُس پر فقط بکری (بطورِ دَم) واجب ہے اگر شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چُھوا یا فرج (شرمگاہ) کے علاوہ میں جماع کیا، انزال کیا یا نہ کیا اور یہ (حکم) "كتاب الأصل" (یعنی مبسوط امام محمد) کی روایت کی بناء پر ہے۔

اور علامہ تمرتاشی "تنوير الأبصار" کی شرح میں لکھتے ہیں:

هذه رواية "الأصل"، قال الطرابلسی فی "مناسكه": و لو جامع فيما دون الفرج أو لمس بشهوة أو قبّل بشهوة و أنزل أو لم ينزل لا يفسد الحج و عليه دم إن أنزل كذا فی "الجامع الصغير" و لم يشترط الإنزال فی الأصل (٧٢)

یعنی، یہ "اصل" (یعنی مبسوط امام محمد) کی روایت ہے اور طرابلسی نے اپنے "مناسك" میں فرمایا، اگر فرج کے علاوہ میں جماع کیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، شہوت کے ساتھ بوسہ دیا اور انزال کیا یا نہ کیا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا اور اس پر دَم ہے، اگر انزال کیا (تو دَم ہے) اس طرح "جامع الصغير" میں ہے اور "الأصل" میں اِنزال کی شرط نہیں لگائی۔

اور اِنزال ہو یا نہ ہو شہوت کے ساتھ مندرجہ بالا اُمور کے پائے جانے پر دَم کے لُزوم والی روایت کو علامہ علاؤالدین حصکفی نے "اصح" لکھا ہے جیسا کہ "در مختار" (٧٣) میں ہے اور اس کے تحت علامہ محمد طاہر بن سعید سنبلی حنفی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

"و فی الأصح" هو موافق لما فی "الهداية" و غيرها تبعاً للأصل (٧٤)

یعنی، صاحبِ دُر کا قول کہ ''اصح قول کے مطابق'' (قطعاً دَم واجب ہے) یہ اس کے موافق ہے جو "ھدایہ" وغیرہا میں ہے اور (امام محمد کی کتاب)

٧٢۔ منح الغفار، كتاب الحج، باب الجنايات، ق ١٦٧/ب

٧٣۔ الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، ص١٦٧

٧٤۔ ضياء الأبصار على منسك الدر المختار، باب الجنايات، ق ٤٧/ب

"الأصل" (یعنی مبسوط) کے تابع ہے۔

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قوله: (فی الأصح) لم أر من صرّح بتصحیحه، و كأنه أخذه من التصریح بالإطلاق فی "المبسوط"، و "الهدایة"، و "البدائع"، و "شرح المجمع" وغیرها كما فی "اللباب" و رجحه فی "البحر" بأن الدواعی محرّمه لأجل الإحرام مطلقاً فیجب الدم مطلقاً، و اشترط فی "الجامع الصغیر" الإنزال، و صحّحه قاضیخان فی "شرحه" (۷۵)

یعنی، صاحبِ درمختار کا قول کہ ''اصح قول کے مطابق'' (علامہ شامی کہتے ہیں کہ) میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس نے اس قول کی تصحیح کی صراحت کی ہو، گویا کہ انہوں نے مبسوط (الاصل)، ہدایہ، بدائع الصنائع، اور شرح المجمع وغیرہا اطلاق کی تصریح کو لیا ہے جیسا کہ "لباب المناسك" میں ہے اور اس (انزال وعدم انزال کی صورت میں لزوم دَم والی) روایت کو صاحب بحر نے "بحر الرائق" میں ترجیح دی اس طور پر کہ دواعی جماع احرام کی وجہ سے مطلقاً حرام ہیں تو واجب ہے کہ دم بھی (انزال وعدم انزال کی صورت میں) مطلقاً ہو اور "الجامع الصغیر" میں (لُزومِ دم کے لئے) اِنزال کو شرط کیا اور قاضیخان نے اس کی ''شرح'' میں اس (روایت) کی تصحیح کی ہے۔

اب اس میں دو روایات ہیں، ایک جس میں لُزوم کے لئے دواعی میں اِنزال کو شرط نہیں کیا گیا اور دوسری جس میں اِنزال کو شرط کیا گیا، ایک روایت "كتاب الأصل" کی ہے جب کہ دوسری "الجامع الصغیر" کی ہے پھر دونوں کی تصحیح بھی مذکور ہے، ایک کو اکثر نے ترجیح دی ہے جب کہ دوسری کی "قاضیخان" نے تصحیح کی ہے، ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا

۷۵۔ ردّ المحتار علی الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنایات، تحت قول التنویر، أو لمس بشهوة إلخ، ۳/۶۶۷

جائے تو احتیاط اسی میں نظر آتی ہے کہ دواعی جماع بلا اِنزال میں لُزومِ دَم کے قول پر ہی عمل کیا جائے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

و حاصله: أن دواعی الجماع كالمعانقة، و المباشرة الفاحشة و الجماع فیما دون الفرج، و التقبیل، و اللّمس بشهوة موجبة للدم أنزل أو لا قبل الوقوف أو بعده، و لا یفسد حجه شیء منها كما فی "اللباب" (۷۶)

یعنی، حاصل کلام یہ ہے کہ بے شک دواعی جماع جیسے معانقہ، مباشرت فاحشہ، شرمگاہ کے علاوہ میں جماع، شہوت کے ساتھ بوسہ اور چُھونا دَم کو واجب کرنے والے ہیں چاہے اِنزال کرے یا نہ کرے، وُقوف سے قبل ہو یا وُقوف کے بعد، اور ان میں سے کوئی شئ اُس کے حج کو فاسد نہیں کرے گی، جیسا کہ "لباب المناسك" میں ہے۔

لہٰذا شہوت کے ساتھ چھونے پر دَم لازم ہو گیا جیسا کہ صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مباشرت فاحشہ، شہوت کے ساتھ بوس و کنار اور بدن کو مَس کرنے میں دَم ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔ (۷۷)

جیسا کہ "الجوهرة النیرة" (۷۸) میں ہے۔

اور اُس نے دوسرا جرم یہ کیا کہ بلا وضو طوافِ عمرہ کیا، طواف عمرہ کے جتنے بھی چکر بلا وضو کئے اُن کا اعادہ واجب ہو گا اور اعادہ نہ کرنے کی صورت میں دَم لازم ہو گا، لہٰذا اگر مکہ میں ہے تو اعادہ کر لے اور چلا گیا ہے تو دم دے کیونکہ مذی کے قطرے نکلنے سے اُس کا وضو جاتا

۷۶۔ ردّ المحتار علی الدّر المختار شرح تنویر الأبصار، كتاب الحج، باب الجنایات، تحت قول التنویر: أو قبّل، ۳/۶۶۷

۷۷۔ بہارِ شریعت، حج کا بیان، جرم اور اُن کے کفارے، ۱/۶/۱۰۶

۷۸۔ الجوهرة النیّرة، كتاب الحج، باب الجنایات، تحت قوله: إن قبّل أو لمس، ۱/۴۰۵

رہا، اس طرح اُس کا بقیہ طواف بے وضو ہوا۔ چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و لو طافَ للعمرة كُلّه أو أكثره أو أقله، و لو شوطاً جنباً أو حائضاً أو نُفساء أو محدِثاً فعليه شاة، و لا فرق فيه بين: القليل و الكثير، و الجنب و المُحدث، لأنه لا مدخلَ له في طواف العمرة للبدنة و لا الصدقة بخلاف طواف الزيارة (۷۹)

یعنی، اگر عمرہ کا کُل یا اُس کا اکثر، یا اقل طواف اگر چہ ایک چکر حالت جنابت میں یا حالت حیض یا نفاس میں یا بے وضو کیا تو اُس پر بکری (ذبح کرنا بطور دَم) لازم ہے، اس میں قلیل و کثیر، جنبی اور بے وضو میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ طوافِ عمرہ کو بدنہ کو کوئی دخل نہیں اور نہ ہی صدقہ کو برخلاف طوافِ زیارت کے۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

و لو طاف للعمرة مُحدِثاً و سعى بعده فعليه دم إن لم يُعدِ الطواف و رجع إلى أهله، و ليس عليه شيء لترك إعادةِ السَّعي، و لو أعاد الطواف و لم يُعدِ السعي لا شيء عليه (۸۰)

یعنی، اگر بے وضو عمرہ کا طواف کیا اور اُس کے بعد سعی کر لی، اگر اُس نے طواف کا اعادہ نہ کیا اور اپنے اہل کو لوٹ گیا تو اُس پر دَم ہے اور سعی کا اعادہ ترک کرنے میں اس پر کچھ نہیں ہے، اور اگر طواف کا اعادہ کر لیا اور سعی کا اعادہ نہ کیا تو اس پر کچھ نہیں۔

۷۹۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، فصل: في الجناية في طواف العمرة، ص۲۱۷

۸۰۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، فصل: في الجناية في طواف العمرة، ص۲۱۷

اور طواف میں طہارت واجب ہے، چنانچہ علامہ شمس الدین سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

إن الطهارة واجبة و إن طواف المحدث معتد به عندنا لكن الأفضل أن يعيده و إن لم يُعده فعليه دم (۸۱)

اگر کسی نے بلا وضو طواف کیا تو یہ طواف تو شمار ہوگا لیکن اس کا اعادہ بہتر ہے۔
اگر اس نے اعادہ نہ کیا تو دم اس پر واجب ہوا۔ (۸۲)

اور عمرہ کے طواف میں قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں ہے اور عمرہ کے طواف میں نہ تو بدنہ ہے اور نہ ہی صدقہ جیسا کہ اوپر گزرا، لہٰذا اعادہ نہ کرنے کی صورت میں دَم متعین ہوگا۔

لہٰذا مذکورہ شخص پر دواعی جماع کی وجہ سے ایک دَم تو لازم ہوا اور بے وضو طواف مکمل کرنے کی وجہ سے اس کا باوضو اعادہ لازم ہوا اور اعادہ نہ کرنے کی صورت میں دوسرا دَم لازم آئے گا۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ۱٤ ذو الحجة ۱٤۳٤ھ، ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۳م F-883

طوافِ عمرہ میں چھ پھیروں کے بعد عمرہ مکمل کرنے والے کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بُھولے سے طوافِ عمرہ میں چھ چکر کیئے، پھر سعی اور حلق کروا کے احرام کھول دیا، اب اس پر کیا لازم آئے گا؟

(السائل: حافظ محمد بلال، الفتانی حج اینڈ عمرہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اُس پر دم لازم آئے گا کیونکہ اُس نے ایک چکر چھوڑا اور احرام کھولنے سے قبل رہا ہوا طواف کا ایک پھیرا

۸۱۔ المبسوط، كتاب المناسك، باب الطواف، ۲/۶۷۰

۸۲۔ الحج، واجبات و محرمات طواف، ص۹۷

نہیں دیا، اگر دے لیتا تو دَم ساقط ہو جاتا۔ چنانچہ امام محمد بن احمد بن سہیل سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

لو ترك الأقل من أشواط الطواف فعليه إعادة المتروك و إن لم يُعد فعليه دم (٨٣)

یعنی، اگر اکثر (طواف) ادا ہوا اور کم پھیرے رہ گئے تو رکن ادا ہو گیا اور واجب ترک ہوا تو متروک کا اِعادہ کرے اور اگر اِعادہ نہ کر سکا تو قربانی واجب ہوئی (٨٤)

اور علامہ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ اور قاضی مکہ امام ابو البقاء محمد بن احمد بن محمد بن الضیاء مکی حنفی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

و لو أتى بأكثر الطواف و ترك أقلّه، و سعى بين الصفا و المروة حل، و لا يجب إعادة السعي بين الصفا و المروة، لأنه أتى بالأكثر إلا أن عليه لترك أقل الطواف إعادة أو دماً لجبر النقصان (٨٥)

یعنی، اگر اکثر طواف ادا کیا اور کم چھوڑ دیا اور صفا و مروہ کے مابین سعی کی (حلق یا تقصیر کے ذریعے) حلال ہوا اور اس پر صفا و مروہ کے مابین سعی کا اعادہ واجب نہیں کیونکہ اُس نے اکثر طواف ادا کر لیا مگر اس پر طواف کے کم چکروں کا اعادہ یا نقصان کو پورا کرنے کے لئے دَم لازم ہے۔

اور علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و كذا لو ترك منه (أي من طواف العمرة) أقلّه و لو شوطاً فعليه دمٌ

٨٣۔ المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب الطّواف، ٤٢/٢

٨٤۔ الحج، واجبات و محرمات طواف، ص٩٩

٨٥۔ المسالك في المناسك، فصل: في العمرة على سبيل الإنفراد، فصل منه أيضاً، ٦١٩/١
البحر العميق، الباب الرابع عشر: في العمرة، فصل طواف للعمرة على طواف الزيارة، أما واجباتها، ٢٠٥٧/٤

و إن أعاده سقط عنه الدَّم (٨٦)

یعنی، اسی طرح اگر طوافِ عمرہ کے (چار سے) کم چکر چھوڑے اگرچہ ایک چکر تو اُس پر دَم ہے اور اُن کا اعادہ کر لیا (یعنی چھوڑے ہوئے چکر ادا کر لئے) تو اس سے دَم ساقط ہو گیا۔

واللہ تعالى أعلم بالصواب

یوم الثلثاء، ١٧ ذو الحجة ١٤٣٤هـ، ٢٢ اکتوبر ٢٠١٣م 886-F

طوافِ عمرہ میں جسم پر نجاست حقیقیہ کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص عمرہ کے احرام میں عمرہ کا طواف کر رہا تھا کہ مطاف میں پڑی ہوئی نجاست پاؤں پر لگ گئی، اُس نے اسی طرح طواف مکمل کر لیا، اب اس کا طواف درست ہو جائے گا یا نہیں؟

(السائل: ایک حاجی C/O عبد الحبیب برکاتی، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: یاد رہے کہ طواف میں نجاست حقیقیہ سے پاکیزگی سُنَنِ طواف سے ہے چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی مکی حنفی متوفی ۹۹۳ھ سُنَنِ طواف کے بیان میں لکھتے ہیں:

و الطّهارة عن النجاسة الحقيقية (٨٧)

یعنی، نجاست حقیقیہ سے طہارت (سُنَنِ طواف سے ہے)۔

اس کے تحت مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

أي في الثياب و الأعضاء البدنية، و كذا في الأجزاء المكانية (٨٨)

٨٦۔ لباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنايات، فصل: في الجناية في طواف العمرة، ص٢١٧

٨٧۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المناسك، باب أنواع الأطوفة و أحكامها، فصل: في سنن الطواف، ص١١٧

٨٨۔ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، باب أنواع الأطوفة و أحكامها، تحت قوله: و الطهارة عن النجاسة الحقيقية، ص٢٢٦

یعنی، کپڑوں میں اور اعضاءِ بدنیہ اور اجزاءِ مکانیہ میں (طہارت سُنَنِ طواف سے ہے)۔

اور مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور حارثی ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

اما طہارت بدن ثیاب ملبوس و مکان طواف از نجاست حقیقیہ پس آن واجب است علی احد الروایتین و روایت دیگر آنست کہ طہارت از نجاست حقیقیہ سنّت مؤکّدہ است و علیہ اُکثر العلماء ولہذا ذکر خواہم کرد اُو را در سُنَنِ طواف (۸۹)

یعنی، مگر بدن، پہنے ہوئے کپڑوں اور طواف کی جگہ کی نجاست حقیقیہ سے پاکیزگی، دو میں سے ایک روایت کے مطابق واجب ہے جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ سنّتِ مؤکّدہ ہے۔ اور اس پر اکثر علماء ہیں اسی وجہ سے اسے ہم سُنَنِ طواف میں ذکر کریں گے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

نہم طہارت بدن و ثیاب ملبوسہ و مکانِ طواف از نجاست حقیقیہ کہ آن سنت است نزد اکثر و قیل واجب است (۹۰)

یعنی، طواف کی نویں سنت بدن اور پہنے ہوئے کپڑوں اور طواف کی جگہ کا نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا ہے کہ یہ اکثر کے نزدیک سنت ہے اور کہا گیا کہ واجب ہے۔

اس لئے اس حال میں طواف کیا کہ اُس کے بدن یا جسم پر نجاست تھی تو اُس پر کچھ لازم نہیں آئے گا چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی ثم مکی حنفی لکھتے ہیں:

۸۹۔ حیات القلوب، باب سیوم در بیان طواف، فصل دویم دربیان شرائط صحت طواف، ص۱۱۸

۹۰۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب سیوم در بیان طواف، فصل: دویم دربیان شرائط صحت طواف، ص۱۲۲

و لو طاف فرضاً أو واجباً أو نفلاً و علیه نجاسة أکثر من قدر الدرهم کُره و لا شئ علیه (۹۱)

یعنی، اگر فرض یا واجب یا نفل طواف اس حال میں کیا کہ اس پر درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست تھی تو مکروہ ہے اور اس پر کچھ نہیں۔

مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

(و لو طاف) کالرُّکنین (أو واجباً) کالصّدر و النّذر (أو نفلاً) کالقُدوم و التحیّة و التطوّع (و علیه) أی علی ثوبه أو بدنه (نجاسة أکثرُ مِن قدر الدرهم کُرِهَ) أی لترکه السنة فی مراعاة الطهارة (و لا شیء علیه) أی من الدم و الصدقه، و هذا قول العامة، و هو الموافق لما فی ظاهر الروایة، کما صرّح فی البدائع وغیره: أن الطهارة عن النجاسة لیس بواجب، فلا یجب علیه شیء لترکه سوی الإسائة، و تمامه فی "شرح اللباب" (۹۲)

یعنی، فرض طواف جیسے طواف زیارت اور طوافِ عمرہ، واجب طواف جیسے طوافِ صدر اور منّت طواف، نفلی طواف جیسے طوافِ قُدوم، طوافِ تحیۃ اور طوافِ تطوّع، اُس پر درہم سے زیادہ نجاست ہو یعنی اُس کے کپڑے یا بدن پر نجاست ہو تو مکروہ ہے، یعنی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ رعایت طہارت میں سنت کو ترک کیا ہے، اس پر دم اور صدقہ میں سے کچھ نہیں ہے اور یہ عام فقہاء کرام کا قول ہے جو ''ظاہر الروایت'' کے موافق ہے جیسا کہ اس کی تصریح "بدائع الصنائع" وغیرہ میں کی ہے کہ نجاست سے طہارت واجب نہیں ہے

۹۱۔ لُباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب الجنایات، فصل: فی الطواف و علی ثوبه إلخ، ص۲۱۸

۹۲۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب الجنایات، النوع الخامس: الجنایات فی أفعال الحج، فصل فی الطواف و علی ثوبه أو بدنة نجاسة، ص۵۰۱، ۵۰۲

لہٰذا اس کے ترک پر سوائے اسائت کے کچھ لازم نہیں۔

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

هذا النوع من الطهارة فی الثوب و البدن سنة مؤكدة "شرح اللباب" بل قال فی "الفتح": و ما فی بعض الكتب من أن بنجاسة الثوب كلّه يجب الدم لا أصل له فی الرواية اهـ، و فی "البدائع": إنه سنة، فلو طاف و على ثوبه نجاسة أكثر من الدرهم لا يلزمه شیء، بل يكره لإدخال النجاسة المسجد اهـ (۹۳)

یعنی، طہارت کی یہ نوع کپڑے اور بدن میں سنّت مؤکدہ ہے "شرح اللباب" بلکہ "فتح القدیر" میں کہا کہ جو بعض کُتُب میں ہے کہ کل کپڑا نجس ہو تو دم واجب ہے اِس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔اھ، اور "بدائع الصنائع" میں ہے کہ یہ (یعنی نجاست حقیقیہ سے پاکیزگی) سنت ہے پس اگر اس حال میں طواف کیا کہ اس کے کپڑے پر درہم سے زیادہ نجاست ہے تو اُسے کوئی شئی لازم نہ ہوگی بلکہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنا مکروہ ہے۔اھ

اور مفتی مکہ شیخ ابو اجاہت عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدی عمری حنفی متوفی ۱۰۳۷ھ لکھتے ہیں:

أما طهارة البدن و الثوب من النجاسات الحقيقية فی الطواف فليست بشرط بالإجماع فلا يفترض تحصيلها، ولا يجب لكنه سنة، حتى لو طاف و على ثوبه و بدنه نجاسة أكثر من قدر الدرهم لا يلزمه شیء لكنه يكره، و ما ذكر فی بعض الكتب من أن فی نجاسة البدن كلّه الدم لا أصل له فی الرواية نصّ عليه ابن الهمام (۹۴)

۹۳۔ رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحج، مطلب: فی فروض الحج و واجباته، تحت قوله: و الأكثر على أنه، ۳/۵۴۰

۹۴۔ فتح مسالك الرمز فی شرح مناسك الكنز، كتاب الجنايات، ق ۸۲/أ-ب

یعنی، مگر طواف میں نجاسات حقیقیہ سے پاکیزگی پس بالاجماع شرط نہیں ہے لہٰذا اس کا حصول بھی فرض نہیں ہے اور نہ واجب ہے بلکہ سنت ہے یہاں تک کہ اگر اس حال میں طواف کیا کہ اس کے کپڑے اور بدن پر درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست ہے تو اسے کچھ بھی لازم نہیں آئے گا لیکن مکروہ ہے اور جو بعض کُتُب میں لکھا ہوا ہے کہ کُل بدن کی نجاست میں دَم ہے روایت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اس کی ابن الہمام نے تصریح فرمائی۔

قاضی زادہ حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

أما طواف التطوّع فالاتفاق على أن الطهارة فيه سنة، لا يلزمه بتركها شیء و هذا على ما فی " فتاوى الظهيرية" أما على ما فی "المحيط" وغيره، فالطهارة عن النجاسة مطلقاً سنة فی الفرض و غيره، و ذكره فی "البحر الرائق" و تمامه فی شرحناه على "الأوسط" (۹۵)

یعنی، مگر نفلی طواف تو اتفاق اس بات پر ہے کہ اس میں طہارت سنت ہے اور اس کے ترک پر کوئی شئے لازم نہیں آئے گی یہ اس بناء پر ہے جو "فتاویٰ ظہیریہ" میں ہے، اگر جو "محیط" وغیرہ میں ہے (وہ یہ ہے کہ) نجاست سے طہارت فرض وغیرہ میں مطلقاً سنت ہے اور اس کا مکمل بیان (علامہ رحمت اللہ سندھی کی کتاب) "الاوسط" پر ہماری شرح میں ہے۔

لہٰذا مذکورہ شخص پر کچھ بھی لازم نہ آیا اُس کا کیا ہوا طواف درست ہو گیا نہ اعادہ لازم ہوا اور نہ ہی کوئی کفّارہ۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۱۸ ذو الحجة ۱۴۳۴ھ، ۲۳ اکتوبر ۲۰۱۳ م F-888

۹۵۔ الضوء المنير شرح المنسك الصغير، ....، ق۱۲/أ

پیدل چلنے پر قادر شخص کا وہیل چیئر پر طواف کرنا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے وہیل چیئر پر طواف کیا حالانکہ وہ پیدل چلنے پر قادر ہے اور اُس نے اِس طرح صرف تھکاوٹ کی وجہ سے کیا، اس صورت میں اُس کا طواف درست ہو جائے گا یا اُس پر کچھ لازم آئے گا؟

(السائل:C/o مولانا محمد عمر میندھرو)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: طواف میں پیدل چلنا واجباتِ طواف سے ہے جب کہ طواف کرنے والا پیدل چلنے پر قادر ہو، چنانچہ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اور علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھی ثم مکی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

إن المشي واجب عندنا على هذا نصّ المشائخ، و هو كلام محمد (۹۶)

یعنی، بے شک ہمارے نزدیک (طواف میں) پیدل چلنا واجب ہے، مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور یہ امام محمد رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔

اسی طرح "بدائع الصنائع" (۹۷) میں ہے۔

۹۶۔ فتح القدير، كتاب الحج، باب الجنايات، و من طاف القدوم الخ هذه فروع تتعلق بالطواف، ۲/۳۹۰
جمع المناسك، باب أنواع الأطوفة و أحكامها، فصل: فی واجبات الطواف، منها (۳) المشی، ص۱۲۸
لُباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب أنواع الأطوفة و أحكامها، فصل: فی واجبات الطواف، الرابع، ص۱۱۳ و فيه: الرابع: المشی فيه لقادر، و المنسك الصغير مع شرحهالضوء المنير، ق ۷۲/ب

۹۷۔ بدائع الصنائع، كتاب الحجّ، فصل فی شرط طواف الزّيارة وواجباته، ۳/۷۳

قاضی مکہ امام ابوالبقاء محمد بن احمد بن الضیاء مکی حنفی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

و من واجبات الطواف: المشی فيه عند القدرة عليه (۹۸)

یعنی، طواف کے واجبات میں سے ہے کہ چلنے پر قدرت ہوتے ہوئے پیدل چلنا۔

اور مخدوم الخادیم مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور حارثی ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

چہارم از واجبات مشی بر اقدام است در حق قادر بر آن اگر چہ طواف تطوّع باشد (۹۹)

یعنی، طواف کے واجبات سے چوتھا واجب پیدل چلنا ہے اس شخص کے حق میں جو اس پر قادر ہوا گرچہ نفلی طواف ہو۔

بعض فقہاء کرام نے طواف میں پیدل چلنے کو افضل قرار دیا ہے جو کہ مشہور مذہب اور جمہور کے قول کے خلاف ہے جس پر عمل نہیں کیا جائے گا چنانچہ ملاّ علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

المشي واجب عندنا، و على هذا نصّ المشائخ و هو كلام محمد وما فی "فتاوی قاضیخان" من قوله: "و الطواف ماشياً أفضل" تساهل أو محمول على النافلة، بل ينبغي فی النافلة أن يجب لأنه إذا شرع فيه وجب، فوجب المشی، انتهى. لكن قد يقال بالفرق بين ما يجب بإيجاب الله تبارك وتعالى، و بين ما يجب بفعل العبد ولذا جوّز قضاء الوتر وقت الكراهة دون أداء ركعتي الطواف، مع أنه لم يلتزمه بوصف المشی مع الإتساع فی التّطوع،

۹۸۔ البحر العميق، الباب العاشر فی بيان دخول مكة و فی الطواف السعی، فصل: فی بيان أنواع الأطوفة، ۲/۱۱۴۳

۹۹۔ حيات القلوب فی زيارت المحبوب، باب سيوم دربيان طواف و انواع آن، فصل دويم در بيان شرائط صحة طواف،ص۱۱۹

و لهذا جُوّز بلا عُذر فی صلاة النفل ترك القيام الذی هو رُكن فی الفرض عند القدرة (۱۰۰)

یعنی، امام اعظم کے نزدیک پیدل طواف کرنا واجب ہے اور اسی کی مشائخ کرام نے تصریح کی اور یہی امام محمد کا کلام ہے اور جو ''فتاویٰ قاضیخان'' میں یہ قول ہے کہ ''پیدل طواف افضل ہے'' تساہل ہے یا طوافِ نافلہ پر محمول ہے، بلکہ نفلی طواف میں پیدل چلنا واجب ہونا چاہئے کیونکہ جب نفلی طواف میں شروع ہوگیا تو واجب ہوگیا لہٰذا پیدل چلنا واجب ہوگیا، انتہی۔ لیکن کبھی اُس میں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہے اور جو بندے کے فعل سے واجب ہوا ہو کے مابین فرق کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے کراہت کے وقت وتر کی قضاء کو جائز قرار دیا جاتا ہے سوائے طواف کی دو رکعت کی ادائیگی کے، باوجود اِس کے کہ اُس نے پیدل چلنے کے وصف کے ساتھ طواف کا التزام نہیں کیا اس کے باوجود کہ نفل میں گنجائش ہے، اس وجہ سے نفل نماز میں بلا عذر قیام کو چھوڑنا جائز قرار دیا گیا ہے جو قیام قدرت پائی جانے کی صورت میں فرض میں رُکن ہے۔

اور پورے طواف میں پیدل چلنا واجب ہے نہ کہ اکثر طواف میں چنانچہ علامہ ابو علی جمال الدین محمد بن محمد انصاری حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

و المراد بالمشی، المشی فی كلّ الطواف كما أشار إليه المصنّف بالاطلاق لا أكثر فقط كما فهمه بعض الناس، فإنهم قالوا فی باب الجنايات: لو ركب فی الأكثر لزمه دم و إن ركب فی الأقلّ لزمه صدقة لكلّ شوط و هو يدلّ علی وجوب المشی فی جميع السبعة، و لو كان الواجب أنما هو فی الأكثر فقط لما لزمه فی

۱۰۰۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب أنواع الأطوفة و أحكامها، فصل: فی واجبات الطواف، الرابع، ص۲۱۵

الأقلّ شیء، فإن قيل: إذا قلتم إن المشی واجب فی جميع السبعة أيضاً لم لا يجب الدم بتركه فی الأقلّ، قلتُ: الدم لا يجب إلا بتكامل الجناية، و تكامل الجناية لا يكون إلا بترك كلّ الواجب أو أكثره، و فی الأقل الجناية قاصرة فتجب الصدقة، قد أشار إلی ذلك مشائخنا فی باب الجنايات و هذه قاعدة مطردة فی جميع الواجبات، يجبُ حفظها، والله أعلم (۱۰۱)

یعنی، پیدل چلنے سے مراد پورے طواف میں پیدل چلنا ہے جیسا کہ مصنِّف (علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی) نے اطلاق کے ساتھ اِس کی طرف اشارہ کیا نہ کہ اکثر طواف میں فقط، جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے، پس فقہاء کرام نے جرائم کے باب میں فرمایا ہے کہ اگر طواف کے اکثر پھیروں میں سوار ہوا تو اُس پر دم لازم ہے اور کم پھیروں میں سوار ہوا تو ہر پھیرے کا ایک صدقہ اور یہ (عبارت) اس پر دلالت کرتی ہے کہ پیدل چلنا پورے سات پھیروں میں واجب ہے اور اگر کفّارہ فقط اکثر پھیروں میں لازم ہوتا تو کم پھیروں میں کچھ بھی لازم نہ آتا، پس اگر کہا جائے کہ جب تم کہتے ہو پورے سات پھیروں میں پیدل چلنا واجب ہے تو کم پھیروں میں پیدل چلنے کو ترک کرنے میں دم لازم کیوں نہیں آتا، میں کہتا ہوں کہ دَم صرف جنایت کے کامل ہونے میں لازم آتا ہے اور جنایت صرف کل واجب کے ترک کرنے سے کامل ہوتی ہے یا اکثر کے ترک سے اور اقل میں جنایت قاصرہ ہے پس صدقہ واجب ہوگا، اس کی طرف ہمارے مشائخ نے باب الجنایات میں اشارہ کیا ہے اور تمام واجبات میں یہ قاعدہ مطردہ ہے اور اس کا یاد کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی سوار ہوکر طواف فرمایا ہے تو اُس کا جواب یہ

۱۰۱۔ الضوء المنير علی المنسك الصغير، تحت قوله: من واجبات المشی فی الطواف، ص۱۱

دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا سوار ہو کر طواف کرنا کسی عُذر کی وجہ سے تھا چنانچہ علامہ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

و عند الشافعی رحمه الله يجوز مع القدرة لما روى "أن النبی ﷺ طاف راكباً فی حجة الوداع" قلنا ذلك من عُذر و ضعفٍ لوجع أصابه، و قد روى عن عطاء رحمه الله: أن ذلك كان العذر أنه أسنّ و بدن (۱۰۲)

یعنی، امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک پیدل طواف کی قدرت کے باوجود (سوار ہونا) جائز ہے کیونکہ مروی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں سوار ہو کر طواف فرمایا''۔ ہم کہتے ہیں: وہ عُذر اور درد کے سبب ضعف کی وجہ سے تھا اور حضرت عطاء علیہ الرحمہ تابعی سے مروی ہے بے شک وہ عُذر کے سبب تھا، آپ ﷺ بڑی عمر کو پہنچ گئے اور آپ کا مبارک بدن بھاری ہو گیا تھا۔

جیسا کہ یہ حدیث شریف ''اور حضور ﷺ کا سوار ہو کر طواف فرمانا''، "صحیح مسلم" (۱۰۳)، "سنن أبی داؤد" (۱۰۴)، "سنن النسائی" (۱۰۵)، "الأم" (۱۰۶)، "المصنف لابن أبی شیبه" (۱۰۷) اور "المسند للإمام أحمد" (۱۰۸) میں حضرت

۱۰۲۔ المسالك فی المناسك، فصل فی كفّارة الجناية فی الطواف، ۷۸۸/۲

۱۰۳۔ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب (۴۲) جواز الطواف علی بعير وغيره الخ، برقم: ۳۰۴۹/ ۲۵۳۔ (۱۲۷۲)، ص۵۸۹

۱۰۴۔ سنن أبی داود، كتاب المناسك، باب الطواف الواجب، برقم: ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۳۰۳/۲، ۳۰۴

۱۰۵۔ سنن نسائی، كتاب المناسك، باب الطواف بين الصفا و المروة علی الراحلة، برقم: ۱۹۳۷، ۲۴۸/۵/۳

۱۰۶۔ كتاب الأم، كتاب الحج، باب الطواف راكباً، ۲۶۲/۲

۱۰۷۔ المصنَّف لابن أبی شيبة، كتاب الحج، باب فی الطواف علی الراحلة، من رخّص منه، برقم: ۱۳۳۰۰، ۱۳۳۰۳، ۱۳۳۰۴، ۱۳۱/۸، ۱۳۲

۱۰۸۔ المسند، ۳۱۷/۳

جابر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت صفیہ بنت شیبہ اور حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اسی طرح "بدائع الصنائع" (۱۰۹) میں حضرت عطاء تابعی کی زبانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت موجود ہے۔

اور حضرت عکرمہ تابعی سے مروی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ

أن رسول الله ﷺ قَدِمَ مَكَّةَ وَ هُوَ يَشْتَكِیُ، فَطَافَ عَلَی رَاحِلَتِه (۱۱۰)

یعنی، رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے حالانکہ آپ علیل تھے اور آپ نے سواری پر طواف فرمایا۔

اور یہ بات کہ حضور ﷺ نے سواری پر جو طواف ادا کیا وہ کونسا طواف تھا علامہ کرمانی حنفی نے طوافِ اِفاضہ کا ذِکر کیا ہے۔(۱۱۱)

اور امام شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۹۰ھ لکھتے ہیں:

لأنه صحّ فی الحديث أن النبی ﷺ طاف للزّيارة يوم النحر علی ناقته و استلم الأركان بمحجنة،

یعنی، حدیث شریف میں صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دس ذوالحجہ کو اپنی اونٹنی پر طواف فرمایا اور اپنی چھڑی سے ارکان کا استلام کیا۔

اس کے تحت لکھتے ہیں:

و لكنا نقول: التوارث من لدن رسول الله ﷺ إلی يومنا هذا الطواف ماشياً (۱۱۲)

یعنی، لیکن ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ہمارے آج کے دن تک متوارث

۱۰۹۔ بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فی شرط طواف الزيارة، وواجباته، ۷۳/۳

۱۱۰۔ سُنَن أبی داؤد، كتاب المناسك، باب (۴۹) الطواف الواجب، برقم: ۱۸۸۱، ۳۰۴/۲

۱۱۱۔ المسالك فی المناسك، فصل فی الدعوات الماثورة المستحبة فی الطواف، ۴۱۲/۱

۱۱۲۔ المبسوط، كتاب المناسك، باب الطواف، الجزء الرابع، ۴۱/۲

پیدل طواف ہے۔

اور علامہ ابوعلی جمال محمد بن محمد قاضی زادہ انصاری حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں کہ

فإن قيل: إنه عليه الصلاة و السلام طاف راكباً، قلنا إن ذلك كان لعذرٍ من مرضٍ أو وجعٍ أصابه، قال صاحب "البدائع": يحتمل أنه فعل ذلك لعذرٍ اٰخر و هو التعليم ذكره في "البحر العميق" (۱۱۳)

یعنی، پس اگر کہا جائے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے سوار ہو کر طواف فرمایا ہے تو (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ بے شک وہ کسی مرض یا درد کے عذر کی وجہ سے تھا، صاحبِ بدائع نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے کسی اور عذر کی وجہ سے ایسا فرمایا اور وہ عذر تعلیم (یعنی لوگوں کو بتانا) ہے (۱۱۴)

اسے "البحر العميق" (۱۱۵) میں ذکر کیا ہے۔

اس پر احادیث مبارکہ بھی دلالت کرتی ہیں چنانچہ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے روایت کی کہ

عَن جابرٍ قالَ طَافَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ بِالْبَيْتِ فِيْ حُجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِمِحْجَنِهِ لِأَنْ يُرَاهُ النَّاسُ وَ لِيُشْرِفَ، وَ لِيَسْأَلُوْهُ، فَإِنَّ النَّاسَ غَشُوْهُ (۱۱۶)

یعنی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں بیت اللہ شریف کا طواف اپنی سواری پر کیا اور اپنی چھڑی سے حجر

۱۱۳۔ الضوء المنير على المنسك الصغير، بيان الواجبات، تحت قوله: المشي في الطواف، ق۱۰/أ۔ب

۱۱۴۔ بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرط طواف الزيارة وواجباته، ۷۳/۳

۱۱۵۔ البحر العميق، الباب العاشر: في دخول مكة و في الطواف و السعي، فصل: في بيان أنواع الأطوفة، ۱۱۴۴/۲

۱۱۶۔ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره إلخ، برقم: ۲۵۴/۳۰۵۰، ۲۵۵/۳۰۵۱۔ (۱۲۷۳)، ص۵۸۹

اسود کا استلام کیا (یعنی تعظیم کی) تا کہ بلند ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ لیں اور آپ سے سوال پوچھ سکیں کیونکہ لوگوں نے آپ کو گھیرا ہوا تھا۔

اس حدیث شریف کے تحت امام ابوبکر یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے کلام ''تا کہ بلند ہونے کی وجہ لوگ آپ کو دیکھ لیں اور آپ سے سوال پوچھ سکیں'' کے تحت لکھتے ہیں کہ

هذا بيان لعلة ركوبه ﷺ (۱۱۷)

یعنی، یہ حضور ﷺ کے سوار ہونے کی علّت ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ (طَافَ) النَّبِيّ ﷺ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، حَوْلَ الْكَعْبَةِ عَلَى بَعِيْرِهِ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ كَرَاهِيَّةَ أَنْ يُضْرَبَ عَنْهُ النَّاسُ (۱۱۸)

یعنی، امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں کعبہ معظّمہ کے گرد اپنے اونٹ پر طواف کیا، آپ نے رُکن یعنی حجر اسود کا استلام فرمایا، آپ نے لوگوں کو ہٹائے جانے کو ناپسند کرنے کے سبب سے سوار ہو کر طواف کیا۔

اور وُجوب کی دلیل قرآن کریم کی آیہ کریمہ: ﴿وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ (۱۱۹) کو قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ ابوعلی جمال الدین انصاری لکھتے ہیں:

و إنما كان واجباً لقوله تعالىٰ: ﴿وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾، و الراكب ليس بطائف حقيقةً، فأوجب ذلك نقصاً فيه فيجبر بالدم (۱۲۰)

۱۱۷۔ شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره الخ، برقم: ۲۵۴۔ (۱۲۷۳)، ۱۷/۹/۵

۱۱۸۔ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الطّواف على بعيرٍ وغيره الخ، برقم: ۲۵۶/۳۰۵۲۔ (۱۲۷۸۴)، ص۵۹۰

۱۱۹۔ سورة الحج، ۲۹/۱۷

۱۲۰۔ الضوء المنير في شرح المنسك الصغير، بيان الواجبات، تحت قوله: و المشي في الطواف، ق ۱۰/ب

یعنی، اس کا وجوب صرف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ کی وجہ سے ہے اور سوار حقیقت میں طواف کرنے والا نہیں ہے پس اس نے طواف میں نقص کو واجب کیا جسے دم کے ساتھ پورا کیا جائے گا۔

اور بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف ادا ہو جاتا ہے اگرچہ ناقص ہی رہتا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال فی "شرح المجمع": و إنما جاز طوافه راكباً، لأنّ فعل الدّابة مضاف إلى راكبها، و لكن أدخل فيه نقصاً بتفوية صورة الطواف فيجبر بالدم (١٢١)

یعنی، "شرح المجمع" میں کہا کہ سوار ہو کر کیا گیا طواف صرف اس لئے جائز ہے کہ چوپائے کا فعل اس کی سواری کی طرف منسوب ہے، لیکن طواف کی صورت کو فوت کر کے اس میں نقص کو داخل کر دیا، لہٰذا اُسے دَم کے ساتھ پورا کیا جائے گا۔

اور فقہاء کرام نے لُزومِ دم کو طواف میں پیدل چلنے کو بلا عذر ترک کرنے کے ساتھ خاص کیا ہے چنانچہ علامہ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

و لو طاف راكباً من غير عذرٍ و علة فعليه دم كما فی الصلاة المفروضة (١٢٢)

یعنی، اگر بلا عذر و علّت سوار ہو کر طواف کیا تو اُس پر دَم ہے جیسا کہ فرض نماز میں۔

اور علامہ عبد الغنی بن اسماعیل نابلسی حنفی متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

إلا المشی فی الطواف و السعی، فإنه إن ركب فيهما بلا عذرٍ لزمه الدم، و إن كان بعذرٍ فلا شئ عليه (١٢٣)

١٢١ـ الضوء المنير فی شرح المنسك الصغير، بيان الواجبات، ق ١٠/ب
١٢٢ـ المسالك فی المناسك، فصل فی كفّارة الجناية فی الطواف، ٢/٧٨٨
١٢٣ـ الابتهاج بمناسك الحاج، مقدمة، ص٢

یعنی، سوائے طواف اور سعی میں پیدل چلنے کے پس اگر ان (یعنی طواف اور سعی) میں بلا عذر سوار ہو تو اُسے دَم لازم ہے اور اگر سوار ہونا کسی عذر کے سبب ہے تو اُس پر کچھ نہیں۔

دَم یا صدقہ لازم آنے کی صورت میں اعادہ کرنے سے دَم یا صدقہ ساقط ہو جاتے ہیں چنانچہ امام شمس الدین احمد بن محمد بن سہل سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

و إن طاف راكباً أو محمولاً فإن كان لعذرٍ من مرضٍ أو كبرٍ لم يلزمه شئ و إن كان لغير عذرٍ أعاده ما دام بمكة، فإن رجع إلى أهله فعليه الدم عندنا (١٢٤)

یعنی، اگر سواری پر یا کسی کی گود اور کندھے پر طواف کیا تو اگر یہ فعل کسی بیماری یا بڑھاپے کے سبب تھا تو اُس پر کچھ کفّارہ نہیں ورنہ اگر بغیر عُذر تھا تو اُسے اعادہ کرنا چاہئے جب تک مکہ میں ہے، ہاں اگر وطن لوٹ گیا تو پھر قربانی کرے۔(١٢٥)

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو اُٹھوا کر طواف کرنے کا وہی حکم ہے جو سوار ہو کر طواف کرنے کا ہے، اسی طرح گھسٹ کر طواف کرنے کا بھی وہی حکم ہے جو سوار ہو کر طواف کرنے کا ہے چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ بن ابراہیم سندھی ثم مکی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و لو طاف راكباً أو محمولاً أو زحفاً بلا عُذرٍ أعاد ما دام بمكة، و إن كان بعذر فلا شئ عليه (١٢٦)

یعنی، اگر بلا عذر سوار ہو کر یا اپنے آپ کو اُٹھوا کر یا گھسٹ کر طواف کیا تو اعادہ کرے جب تک مکہ میں ہے اور اگر کسی عُذر کے سبب ہے تو اُس پر کچھ نہیں۔

١٢٤ـ المبسوط للسرخسی، كتاب المناسك، باب الطواف، ٢/٦٧٦
١٢٥ـ الحج، واجبات و محرماتِ طواف، ص٩٨
١٢٦ـ جمع المناسك، باب أنواع الأطوفة و أحكامها، فصل: فی واجبات الطواف، منها (٣) المشی، ص١٠٧٥، ١٠٧٦

اور گھسٹنے کا مطلب بیان کرتے ہوئے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

پس اگر طواف کر بر ستودی یا بر کتف انسانے یا بطریق زحف اعنی رفتن بر شکم ہمچو مار یا بر پشت یا پہلو و مانند آن الخ (۱۲۷)

پس اگر سوار ہو کر یا کسی شخص کے کندھے پر سوار ہو کر یا گھسٹ کر میری مراد ہے کہ سانپ کی مثل پیٹ کے بل یا پشت کے بل، پہلو کے بل اور مثل اس کے۔

اور فقہاء عظام نے اس طرح کئے گئے طواف میں اِعادہ کو لازم قرار دیا ہے چنانچہ امام محمود بن احمد بن عبدالعزیز ابن مازہ بخاری حنفی متوفی ۶۱۶ھ اور اُن کے حوالے سے علامہ نظام حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ اور علماء ہند کی ایک جماعت نے نقل کیا:

و إن كان من غير عذرٍ فما دام بمكة، فإنه يُعيد ...... (۱۲۸)

یعنی، پس اگر بلا عُذر ہے تو جب اُسے ممکن ہے ہمارے نزدیک وہ اِس کا اعادہ کرے گا۔

اور علامہ رحمت اللہ سندھی ثم مکی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

فلو طاف راكباً أو محمولاً أو زحفاً بلا عُذرٍ فعليه الإعادة أو الدم (۱۲۹)

یعنی، پس اگر سوار ہو کر یا اٹھوا کر یا گھسٹ کر بلا عُذر طواف کیا تو اُس پر اِعادہ لازم ہے یا دم۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

و اگر بغیر عذر کرد واجب باشد بروے اعادۂ طواف (۱۳۰)

۱۲۷۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب سویم در بیان طواف و انواع آن، فصل دویم در بیان شرائط صحۃ طواف، ص۱۱۹

۱۲۸۔ المحیط البرہانی، کتاب المناسک، الفصل الثامن: فی الطواف و السعی، ۳/۴۴۹
الفتاوی الھندیۃ، کتاب المناسک، الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس فی الطواف و السعی الخ، ۱/۲۴۷

۱۲۹۔ لُبَاب المناسک و عُبَاب المسالک، باب أنواع الأطوفۃ و أحکامھا، فصل فی واجبات الطواف، ص۱۱۳

۱۳۰۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب سویم در بیان طواف و انواع آن، فصل دویم در بیان شرائط صحۃ طواف، اما واجبات طواف، ص۱۱۹

یعنی، اگر بغیر عذر کیا تو اس پر طواف کا اعادہ واجب ہے۔

اور اعادہ واجب ہونے کی صورت میں اعادہ ہی ضروری ہوگا، ہاں اگر کسی وجہ سے اعادہ نہ کر سکا اور چلا گیا تو فرض اور واجب طواف میں دَم اور نفلی طواف میں صدقہ لازم آئے گا، چنانچہ امام ابن مازہ حنفی بخاری اور اُن سے علامہ نظام حنفی اور علماء ہند کی ایک جماعت نے لکھا:

و إن رجع إلى أهله فإنه يريق كذلك دماً عندنا (۱۳۱)

یعنی، اور اگر اپنے اہل کو لوٹ گیا ہمارے نزدیک اسی طرح دَم دے۔

اور نفلی طواف میں اس صورت میں لزوم صدقہ کے بارے میں علامہ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی لکھتے ہیں:

من طاف تطوعاً على شيء من هذه الوجوه فاحبّ إلى أن يعيد إن كان بمكة لإمكان الجبر بجنسه، و إن كان رجع إلى أهله فعليه صدقة جبراً لما دخل فيه من النقصان (۱۳۲)

یعنی، جس نے ان وجوہ میں سے کسی وجہ سے (یعنی واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کرتے ہوئے) نفلی طواف کیا تو میرے نزدیک پسندیدہ اَمر یہ ہے کہ وہ اگر مکہ میں ہے تو اِس کا اعادہ کرے کیونکہ نقصان کو اُس کی جنس کے ساتھ پورا کرنا ممکن ہے۔

پس اگر اپنے اہل کو لوٹ گیا ہے تو اُس پر صدقہ لازم ہے اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے جو اس (طواف) میں داخل ہوگیا۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱۹ ذو الحجۃ ۱۴۳۴ھ، ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۳م F-890

۱۳۱۔ المحیط البرہانی، کتاب المناسک، الفصل الثانی فی طواف و السعی، ۳/۴۴۹
الفتاوی الھندیۃ، کتاب المناسک، الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس فی الطّواف و السّعی، ۱/۲۴۷

۱۳۲۔ المسالک فی المناسک، فصل: فی کفارۃ الجنایۃ فی الطواف، ۲/۷۸۶

طواف میں دعائے آدم علیہ السلام

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ طواف میں ہم نے دعاءِ آدم علیہ السلام کا سنا ہے وہ کیا ہے؟ کس پھیرے میں مانگی جائے؟ اور اُس کی فضیلت کیا ہے؟

(السائل: محمد ریحان، لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: میرے علم کے مطابق دعائے آدم علیہ السلام ملتزم سے متعلق ہے چنانچہ علامہ ازرقی متوفی ۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

عن عبد الله بن أبی سلیمان مولی بنی مخزومٍ أنه قال: طاف آدم علیه السلام سبعاً بالبیت حین نزل، ثم صلّی تجاه باب الکعبة رکعتین، ثم أتی الملتزم، فقال: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سَرِیْرَتِیْ وَ عَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ، وَ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ مَا عِنْدِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ، و تَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاعْطِیْ سُؤْلِیْ، اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ إِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ، وَ یَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی أَعْلَمَ أَنَّهُ لَنْ یُصِیْبَنِیْ إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِیْ، و الرضا بِمَا قَضَیْتَ عَلَیَّ فَأوحی الله تعالیٰ إلیه یا آدمُ قد دَعوتَنی بدَعواتٍ فاستجبتُ لك، و لن یدعونی بها أحدٌ من وَلَدِكَ إلا كشفتُ غُمومَهُ و هُمومَهُ، و كففتُ علیه ضیعتَه، و نزعتُ الفقرَ من قلبه، و جعلتُ الغنابین عَینَیه، وتجرتُ له من وراء تجارة كلِّ تاجرٍ، و أتتُه الدُّنیا، و هی راغمةٌ و إن كان لا یریدها، قال: فمذ طاف آدم علیه السلام كانت سنّة الطواف (۱۳۳)

یعنی، مولی بنی مخزوم حضرت عبداللہ بن اَبی سلیمان سے مروی ہے آپ نے

۱۳۳۔ أخبار مكة، ما جاء فی حج آدم علیه السلام و دعائه لذریته، ۱/۴۳۔۴۴

فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کا سات پھیرے طواف کیا، پھر باب کعبہ کے سامنے نماز ادا فرمائی، پھر ملتزم پر آئے اور عرض کی: ''اے اللہ! تو میری سب چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے، پس تو میری معذرت کو قبول فرما لے، اور تو جو میرے نفس میں ہے جو میرے ہاں (گناہوں سے) ہے سب کو جانتا ہے پس تو میرے گناہوں کو بخش دے، اور تو میری حاجت کو جانتا ہے، پس تو میرے سوال کو پورا کر دے (یا میری خواہش کو پورا فرما دے) اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں سما جائے اور ایسا سچا یقین کہ میں جان لوں کہ جو کچھ تو نے میری تقدیر میں رکھ دیا ہے وہی مجھے پہنچے گا اور تو نے میرے لئے فیصلہ کیا ہے اُس پر راضی ہونا مانگتا ہوں'' پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ اے آدم! تو نے مجھ سے ایسی دعا کی ہے جسے میں نے قبول کر لیا ہے، تیری اولاد میں سے جو بھی یہ دعا کرے گا اور اس کے غم اور ہم (وہ غم کہ جس کا سبب معلوم نہ ہو) دُور کر دوں گا اور غِنا اُس کی آنکھوں کے سامنے کر دوں گا اور ہر تاجر کی تجارت سے زیادہ تجارت اُس کے لئے رکھ دوں گا اور اُس کے پاس دنیا آئے گی اور وہ اُس کی طرف مائل ہوگی جب کہ وہ اس کو نہیں چاہتا ہوگا، فرمایا: جب سے آدم علیہ السلام نے طواف کیا تو یہ طریقہ ہوگیا۔

اس دعا سے جو فوائد مستفاد ہوئے وہ یہ ہیں کہ جو یہ دعا کرے:

۱۔ اُس کے وہ غم دُور ہوں کہ جن کا سبب معلوم ہو۔
۲۔ اُس کے وہ غم دُور ہوں کہ جن کا سبب معلوم نہیں۔
۳۔ اہل وعیال پر کفایت حاصل ہو۔
۴۔ دل سے محتاجی کا خوف دور ہو۔
۵۔ غنا سامنے نظر آئے۔

٦۔ تجارت میں خوب برکت حاصل ہو۔

٧۔ دنیا کا میلان اُس کی طرف ہو اور وہ دنیا سے منہ پھیرے۔

اب اس دعا کے مانگنے کی جگہ ملتزم ہے بعض نے مقام ابراہیم کو ذِکر کیا ہے، عام حالات میں ملتزم پر جانا دشوار ہوتا ہے اور طواف کی جگہ سے مقام ابراہیم کے پاس ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے طواف کے نوافل ادا کرکے یہ دعا مانگ لی جائے، اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا ضرور قبول ہوگی، چاہے مقام ابراہیم کے پاس ہو یا اُس سے دُور۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ١٩ ذو الحجة ١٤٣٤هـ، ٢٤ اکتوبر ٢٠١٣م F-891

رمی

بارہ تاریخ کی رمی زوال سے قبل جائز نہیں

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ہم نے سُنا ہے کہ 2006ء میں ایک متفقہ فتویٰ جاری ہوا، جس کے مطابق گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کی رمی کو زوالِ آفتاب سے قبل جائز قرار دیا گیا ہے، آپ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیے۔

(السائل: ایک حاجی، از جیریز حج گروپ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مسائل حج توقیفی ہیں قیاس کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اور نبی کریم ﷺ سے گیارہ اور بارہ تاریخ میں زوالِ آفتاب کے بعد رمی کرنا ہی منقول ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: رَمَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْجَمَرَةَ يَوْمَ النَّحرِ ضُحىً وَ رَمَى بَعْدَ يَوْمَ النَّحرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ (١٣٤)

یعنی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دسویں ذوالحجہ کو چاشت کے وقت رمی فرمائی اور اس دن کے بعد (یعنی گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو جب زوال آفتاب ہوگیا) تو رمی فرمائی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا (١٣٥)

یعنی، ہم زوال شمس کا انتظار کرتے جب سورج ڈھلتا تو ہم رمی کرتے۔

١٣٤۔ سُنَن النّسائی، کتاب الحج، باب: وقت رمی الجمرة العقبة یوم النّحر، برقم: ٣٠٦٠، ٢٧٧/٥

١٣٥۔ صحیح البخاری، کتاب الحج، باب رمی الجمار، برقم: ١٧٤٧، ٤٢٩/١

ان دنوں میں رمی اگر زوال کے وقت سے قبل جائز ہوتی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان زوال کے وقت کا انتظار نہ کرتے۔ انتظار سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اس سے قبل رمی جائز نہ تھی اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نہیں بلکہ وہ سب صحابہ کا عمل بتا رہے ہیں۔ جیسا کہ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

اسی وجہ سے فقہاءِ احناف نے لکھا ہے کہ رمی کا وقت دس تاریخ کو تو صبح سے ہے اور گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

أول وقتِ جواز الرمی فی الیوم الأول یدخل بطلوع الفجر الثّانی من یوم النّحر، فلا یجوز قبله، و هذا وقت الجواز مع الإساءة ...... و الوقت المسنون فیه بطلوع الشمس یمنو إلی الزوال وقت رمی الجمار الثّلاث فی الیوم الثانی و الثّالث من أیام النّحر بعد الزّوال(۱۳۶)

یعنی، پہلے روز رمی کا وقتِ جواز یوم نحر کے صبح صادق کے طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے تو اس سے پہلے جائز نہیں اور یہ وقتِ جواز مع الاِ سائت ہے...... اور اس میں مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے ہے اور زوال تک ہے اور تینوں جمرات کی ایام نحر کے دوسرے اور تیسرے روز رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔

اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ علماء ہند کی ایک جماعت نے لکھا:

و أما وقت الرّمی فی الیوم الثّانی و الثّالث فهو بعد الزّوال(۱۳۷)

یعنی، دوسرے اور تیسرے روز رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔

۱۳۶۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب رمی الجمار و أحكامه، فصل فی وقت رمی جمرة العقبة یوم النحر، ص۱۵۹

۱۳۷۔ الفتاوی الهندیة، كتاب المناسك، الباب الخامس فی كیفیت أداء الحج، والكلام فی الرمی فی مواضع، ۲۳۳/۱

پس اس دو دنوں میں کسی نے زوال کے قبل رمی کر لی تو جائز نہ ہوگی چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی اور مُلّا علی القاری حنفی لکھتے ہیں:

(فلا یجوز) أی الرمی (قبله) أی قبل الزوال فیهما (فی المشهور) أی عند الجمهور كصاحب "الهدایة" و "قاضیخان" و "الكافی" و "البدائع" و غیرها (۱۳۸)

یعنی، پس رمی ان دو دنوں میں مشہور مذہب کے مطابق یعنی جمہور کے نزدیک زوال سے قبل جائز نہیں جیسے صاحب ہدایہ، قاضیخان، کافی اور بدائع وغیرہا۔

واللّٰه تعالی أعلم بالصواب

یوم الثلثاء، ۱۰ ذو الحجة ۱۴۳۴ھ، ۱۵ اكتوبر ۲۰۱۳ م 879-F

جمرۂ عقبہ کی رمی دو کنکریاں باہر گریں تو حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دس تاریخ کی رمی کی اور اُس کی سات میں سے دو کنکریاں نہ جمرے کو لگیں اور نہ ہی پیالے میں گریں، اس صورت میں اب اُسے کیا کرنا چاہئے؟

(السائل: ایک حاجی، لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اگر وقت باقی ہو تو دو کا اعادہ کرے یعنی دو کنکریاں مار لے اور دس تاریخ کی رمی کا وقت گیارہ تاریخ کی صبح صادق تک ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و آخر الوقت طلوعُ الفجر الثانی من غَدِه (۱۳۹)

یعنی، رمی کا آخری وقت اگلے دن کی صبح صادق تک ہے (یعنی ایام نحر کے

۱۳۸۔ لُباب المناسك مع شرحه للقاری، باب رمی الجمار و أحكامه، ص۳۳۴

۱۳۹۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المناسك، باب رمی الجمار و أحكامه، فصل فی وقت رمی جمرة العقبة یوم النحر، ص۱۵۹

دوسرے روز کی فجر تک ہے)۔

اگرچہ یہ وقتِ کراہت ہے چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

و وقت الکراهة مع الجواز: من الغروب إلی طلوع الفجر الثانی مِن غَدِہ، و لو أخّر إلی اللیل کُرِہَ و لا یلزمه شیءٌ، و إن کان یعذر لم یکرہ (۱۴۰)

یعنی، وقتِ کراہت مع جواز (دس تاریخ کی) غروبِ آفتاب سے اگلے دن کی طلوعِ صبحِ صادق تک ہے اور اگر رات تک مؤخّر کیا تو مکروہ ہے۔ اور اس پر کوئی شئے لازم نہیں اور اگر رات تک مؤخّر عذر کی وجہ سے ہو تو مکروہ بھی نہیں۔

مگر عورتوں اور بوڑھوں کے حق میں کراہت نہیں ہے، چنانچہ ملّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

إلّا فی حق النّساء و کذا حکم الضعفاء (۱۴۱)

یعنی، مگر عورتوں کے حق میں اسی طرح کمزوروں کا حکم ہے (یعنی ان کے حق میں کراہت نہیں ہے)۔

لہٰذا وہ رہی ہوئی کنکریاں مارلے اور اگر نہیں مارتا یہاں تک کہ گیارہ کی فجر کا وقت ہو جاتا ہے تو اُس پر دو صدقے لازم آئیں گے چنانچہ شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

و إن ترک منها حصاةً أو حصاتَین أو ثلاثاً إلی الغَدِ رماها و تصدّق لکلّ حصاة بنصف صاع حنطة علی مسکین إلا أن یبلغ دماً

۱۴۰۔ لُباب المناسک و عُبَاب المسالک، باب رمی الجمار و أحکامه، فصل فی وقت رمی جمرة العقبة یوم النحر، ص۱۵۹

۱۴۱۔ المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، باب رَمْی الجمار و أحکامه، تحت قوله: إلی اللیل کرہ، ص۳۳۳

فحینئذٍ ینقص منه ما شاء لأن المتروک أقل فتکفیه الصدقة (۱۴۲)

یعنی، اگر ایک یا دو یا تین کنکریاں چھوٹ گئیں تو دوسرے دن قضاء کرے اور ہر کنکری کے عوض نصف صاع گیہوں مسکین پر صدقہ کرے لیکن مجموعہ صدقات اگر ایک دَم کے برابر ہو جائیں تو اس میں کچھ کم کر لے، کیونکہ متروک اقل ہے پس اُسے صدقہ کافی ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۱۱ ذو الحجة ۱۴۳۴ھ، ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۳م F-880

گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کی رمی

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ گیارہ اور بارہ کی رمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کی، کیا اس کے بارے میں کوئی حدیث شریف موجود ہے؟

(السائل: محمد جنید بن عبد الرحیم لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: گیارہ اور بارہ کی رمی کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ''صحیح البخاری'' میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ

عن سالم، عن ابن عمر أنه کان یرمی جمرة الدّنیا بسبع حصیات یکبّر علی إثر کلّ حصاة، ثم یتقدّم حتی یسهلَ فیقومُ مستقبلَ القبلة فیقومُ طویلاً و یَدعُو و یَرفعُ یدیه ثم یرمی الوسطی ثم یأخذُ ذاتَ الشِّمال فیسهلَ و یقوم مستقبلَ القبلة، فیقوم طویلاً و یدعو و یرفع یدیه و یقوم طویلاً، ثم یرمی جمرة ذات العقبة من بطن الوادی، و لا یَقفُ عندها، ثم یَنصرفُ، فیقول هکذا رأیت النبی

۱۴۲۔ المبسوط للسرخسی، کتاب المناسک، باب رمی الجمار، الجزء الرابع، ۵۹/۲

ﷺ يفعلُه (١٤٣)

یعنی، سالم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو رمی جمرہ دُنیا (یعنی پہلے جمرے) سے شروع کرتے تھے یعنی جو جمرہ مسجد خیف سے قریب ہے، ''اللہ اکبر'' کہہ کر کنکری پھینکتے تھے، بعد سات کنکریوں کے کچھ آگے بڑھ کر نرم زمین پر قبلہ رو ہو کر بہت دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے، پھر جمرۂ وسطیٰ پر سات کنکریاں پھینکتے اور ہر کنکریاں پھینکتے ہوئے تکبیر کہتے، پھر بائیں طرف ہٹ کر نرم زمین پر کھڑے ہو جاتے اور قبلہ رُخ ہاتھ اُٹھا کر دیر تک دعا مانگتے، پھر جمرہ ذاتِ عقبہ پر سات کنکریاں پھینکتے، تکبیر ہر کنکری پھینکنے میں کہتے اور اُس کے پاس ٹھہرتے نہ تھے، منیٰ واپس آ جاتے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے ایسا ہی عمل کرتے ہوئے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔

اور گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں رمی نبی کریم ﷺ نے زوالِ آفتاب کے بعد یعنی ظہر کے وقت میں کی چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن جابر قال رَمَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحىً و رَمَى بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ (١٤٤)

یعنی، حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ دسویں تاریخ چاشت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے رمی کا نُسک ادا فرمایا اور دسویں زوال کے بعد۔

اور پہلے اور دوسرے جمرے بعد طویل قیام کیا، ذِکر ہے جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی ہے:

١٤٣ـ صحيح البخاري، كتاب الحج، باب إذا رمى الجمرتين يقوم ......إلخ، برقم: ١٧٥١، ١٤٣٠/١

١٤٤ـ سُنَنُ النّسائي، كتاب مناسك الحج، باب وقت رمى جمرة العقبة يوم النحر، برقم: ٣٠٦٠، ٢٧٧/٥

و يقفُ عندَ الأُولىٰ و الثّانيةِ فيُطيلُ القِيامَ وَ يَتَضَرَّعُ إلخ (١٤٥)

یعنی، پہلے اور دوسرے کے پاس حضور ﷺ نے قیام فرمایا، پس قیام کو طویل فرمایا اور (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) آہ وزاری (کے ساتھ دُعا) کی۔

اور پھر دوسرے جمرے کے پاس نبی کریم ﷺ نے زیادہ وقت قیام کیا، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

رأيتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَقَفَ عِنْدَ الْجَمَرَةِ الثَّانِيَةِ أَطْوَلَ مِمَّا وَقَفَ عِنْدَ الْجَمَرَةِ الْأُولٰى (١٤٦)

یعنی، میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ دوسرے کے پاس پہلے کے پاس رُکنے سے زیادہ ٹھہرے۔

تو یہ قیام کتنا طویل ہونا چاہئے، علماء کرام نے لکھا ہے یہ قیام سورۂ بقرہ کی تلاوت یا پونے پارے کی تلاوت یا کم از کم بیس آیات کی تلاوت کی مقدار ہو کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سورۂ بقرہ کی تلاوت کی مقدار قیام مروی ہے، چنانچہ امام ابو الولید محمد بن عبد اللہ بن احمد اُرزقی متوفی ۲۵۰ھ لکھتے ہیں: اور امام عزّ الدین بن جماعۃ کنانی متوفی ۷۶۷ھ نے ''سنن سعید بن منصور'' کے حوالے سے نقل کیا:

قال ابن جريج قال لي عطاءٌ و رأيتُ ابنَ عمر (رضى الله عنهما) يقومُ عند الجمرتَين قدر ما كنت قارئاً سورةَ البقرة و اللفظ للأرزقي (١٤٧)

یعنی، مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں جمروں کے پاس سورۂ

١٤٥ـ سُنَنُ أبي داؤد، كتاب المناسك، باب في رم الجمار، برقم: ١٩٧٣

١٤٦ـ المسند للإمام أحمد، برقم: ٦٦٦٩، ٦٣٠/٢

١٤٧ـ أخبار مكة للأرزقي، باب ما ذكر من النزول بمنى و أين نزل النّبي ﷺ منها، من أين ترمى الجمرة؟ و ما يدعى عندها و ما جاء في ذلك، ١٧٩/٢

هداية السالك، الباب الثاني عشر: في الأعمال المشروعة يوم النحر و باقي الأعمال، فصل: فيما يفعل الحاج في أيّام منى و لياليها، ١٢٠١/٣ و قال أخرجه سعيد بن منصور في "سُنَنه"

بقرہ کی تلاوت کی مقدار قیام فرماتے۔

اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے وبرہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے کہ آپ کا قیام سورۂ بقرہ کی تلاوت کی مقدار تھا اور دوسری ابو مجلز سے ذکر کی جس میں آپ رضی اللہ عنہما کا قیام سورۂ یوسف کی تلاوت کی مقدار ہے۔(۱۴۸)

اور امام شافعی سے بھی سورۂ بقرہ کی تلاوت کی مقدار منقول ہے جیسا کہ "المسالك فی المناسك" (۱۴۹) میں ہے۔

اور علامہ رحمت اللہ سندھی اور ملاّ علی قاری لکھتے ہیں:

(و یمکثُ کذلك) أی علی ذلك الحال (قدر قرأة سورة البقرة أو ثلاثة أحزاب) أی ثلاثة أرباعٍ من الجزءِ (أو عشرین آیة) یعنی و هو أقلّ المراتب، و أختاره صاحب "الحاوی" و "المضمرات" (۱۵۰)

یعنی، اس حال میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی مقدار یا تین پاؤ یعنی سپارے کے چار پاؤ میں سے تین پاؤ تلاوت کی مقدار یا بیس آیات کی تلاوت کی مقدار ٹھہرے یعنی یہ سب سے کم مرتبہ ہے اور اسے صاحب "الحاوی" اور "المضمرات" نے اختیار کیا ہے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

باید کہ فرصت نماید درین مقام باشتغال اَدعیہ واَذکار مدتے طویلہ کہ تقریر کردہ اند آن را بعضے مشائخ بمقدار قراءۃ سورۃ البقرۃ، وبعضے دیگر بمقدار قراءۃ سہ حزب ومراد از حزب ایشان ربع جزء واحد از جزاء ثلاثین است وبعضے دیگر

۱۴۸۔ السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الحج، باب الرجوع إلی منی أیّام التشریق و الرمی بها إلخ، برقم: ۹۶۶۷، ۲۴۳/۵

۱۴۹۔ المسالك فی المناسك، القسم الثانی، فصل الرمی فی الیوم الثانی و الثالث، ۵۹۶/۱

۱۵۰۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب رمی الجمار و أحکامه، فصل: صفة الرمی فی هذه الأیام، ص ۳۴۱

بمقدار قراءۃ بیست آیت (۱۵۱)

یعنی، چاہئے کہ اس مقام پر دعاؤں اور اذکار میں طویل وقت مشغول رہے جس کا اندازہ بعض مشائخ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت کی مقدار کے ساتھ اور بعض نے تین پاؤ کی تلاوت کی مقدار کے ساتھ اور بعض نے بیس آیات کی تلاوت کی مقدار کے ساتھ کیا ہے اور یہ سب سے کم مقدار ہے، یہی افضل ہے۔

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

(قدر قراءة البقرة) أو ثلاثة أحزاب، أی: ثلاثة أرباع من الجزء أو عشرین آیة قال شارحه: و هو أقلّ المراتب و اختاره صاحب الحاوی و المضمرات (۱۵۲)

یعنی، سورۂ بقرہ کی تلاوت یا تین پاؤ کی تلاوت یا بیس آیات کی تلاوت کی مقدار اور شارح نے کہا کہ یہی کم از کم مرتبہ ہے۔اور صاحبِ حاوی اور مضمرات نے اِسی کو اختیار کیا ہے۔

بہر حال وہ اس جگہ بیس آیات کی تلاوت کی مقدار کھڑا ہوا اور اسی مقدار کو افضل قرار دیا گیا ہے۔

اب یہ بات کہ وہاں کھڑا ہو کر کیا کرے اس کا تذکرہ حدیث شریف میں ان کلمات سے آیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

یَدْعُوا و یَرْفَعُ یَدَیْهِ (۱۵۳)

یعنی، ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے۔

۱۵۱۔ حیاة القلوب فی زیارة المحبوب، باب دهم در بیان رمی جمار، فصل پنجم، ص۲۱۹

۱۵۲۔ رد المحتار علی الدّر المختار، کتاب الحج، مطلب فی رمی الجمرات الثلاث، تحت قوله قدر قراءة البقرة، ۶۱۸/۳

۱۵۳۔ صحیح البخاری، کتاب الحج، باب إذا رمی الجمرتین یقوم ......إلخ، برقم: ۱۷۵۱، ۱۴۳۰/۱

اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

یَرمِی الْجَمرَةَ إذَا زَالَتِ الشَّمسُ كُلَّ جَمرَةٍ بِسَبعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَ یَقِفُ عِندَ الْأُولٰی وَ الثَّانِیَةِ فَیُطِیلُ الْقِیَامَ وَ یَتَضَرَّعُ وَ یَرمِی الثَّالِثَةَ وَ لَا یَقِفُ عِندَهَا (١٥٤)

یعنی، نبی کریم ﷺ جمرہ کی رمی اُس وقت فرماتے جب سورج ڈھل جاتا ہر جمرے کو سات کنکریاں (مارتے) ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہی اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس ٹھہرنے میں طویل قیام فرمایا، آہ وزاری کے ساتھ دعا فرمائی اور تیسری کی رمی فرمائی اور اُس کے پاس نہ ٹھہرے۔

اسی لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اِس مقام پر خُشوع وخُضوع کے ساتھ استغفار کرے، تسبیح وتہلیل اور تکبیر پڑھے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف بھیجے اور اپنے لئے، اپنے والدین، اساتذہ، مشائخ، عزیز واقارب، اپنے جاننے والوں اور تمام مسلمانوں کے لئے دُعا مانگے، چنانچہ علامہ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

و یَدعُو و یتضرَّعُ إلی الله تعالی و یُصلّی علی النّبیّ ﷺ (١٥٥)

یعنی، دعا مانگے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرے اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف بھیجے۔

اور علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

فیحمد الله و یکبّر و یهلّل و یسبّح و یصلّی علی النّبیّ ﷺ، و یدعُو و یَرفعُ یدیه کما للدّعا بسطاً مع حُضورٍ و خشوعٍ و تضرّعٍ و استغفارٍ...... و یَدعو و یستغفرُ لأبویه و أقاربه و معارفه و سائر المسلمین (١٥٦)

١٥٤۔ سنن أبی داؤد، کتاب المناسك، باب فی رم الجمار، برقم: ١٩٧٣

١٥٥۔ المسالك فی المناسك، فصل فی الرّمی یوم الثّانی و الثّالث، ٥٩٦/١

١٥٦۔ لُباب المناسك و عُباب المسالك، باب رمی الجمار و أحكامه، فصل: فی صفة الرمی فی هذه الأیام، ص١٦٢

یعنی، پس اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے تکبیر کہے، تہلیل کہے، تسبیح پڑھے اور دعا مانگے ہاتھوں کو بلند کرے جیسا کہ دعا کے لئے، ہاتھ پھیلائے، حضورِ قلب، خُشوع، اور آہ و زاری اور استغفار کے ساتھ ...... اور دعا کرے اپنے والدین، عزیز واقارب اور اپنے جاننے والوں اور تمام مسلمانوں کے لئے بخشش طلب کرے۔

اور علامہ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

و وقف فحمد الله تعالی و أثنَی علیه و هلَّل و کبَّر و صلَّی علی النّبیّ ﷺ (١٥٧)

یعنی، رک جائے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے، تہلیل وتکبیر کہے اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے۔

اور علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

و وقف حامداً، مهلّلاً، مکبّراً، مصلّیاً قدر قرأة البقرة (١٥٨)

یعنی، حمد کرتے ہوئے، تہلیل وتکبیر کہتے ہوئے، درود شریف پڑھتے ہوئے سورۂ بقرہ کی تلاوت کی مقدار رُکے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

پس وقوف کند مستقبل قبلہ برائے دعا و رفع نماید یدین را تا برابر کتف خود و متوجہ سازد آنہا را بسوئے آسمان چنانکہ سنت است در مطلق دعا و بگوید حمد وثنائے خدائے تعالیٰ وتسبیح وتہلیل وتکبیر وصلاۃ فرستد بر پیغمبر ﷺ و دعا خواہد مع احضار القلب والخشوع والتضرع واستغفار نماید برائی خود و برائی والدین و مشائخ واقارب ومعارف خود و برائی سائر مسلمین وگفت پیغمبر خدا ﷺ درین

١٥٧۔ منح الغفار شرح تنویر الأبصار، کتاب الحج، تحت قوله: و وقف، ق١٦١/أ

١٥٨۔ الدر المختار، کتاب الحج، تحت قوله: و وقف، ص١٦٣

مقام کہ اللھم اغفر للحاج و لمن استغفر له الحاجُّ (۱۵۹)

یعنی، پس دعا کے لئے قبلہ رُو ہو کر رُکے، ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر تک بلند کرے اور انہیں آسمان کی جانب متوجہ کرے (کہ دعا کا قبلہ آسمان ہے) اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے تسبیح وتہلیل وتکبیر کہے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف بھیجے اور حضور قلب، خشوع، آہ وزاری کے ساتھ دعا کرے اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، مشائخ (یعنی استاد و پیر کے لئے) اپنے عزیز و اقارب اور اپنے جاننے والوں کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے استغفار کرے اور نبی کریم ﷺ نے اس پر مقام پر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ (''اے اللہ! حاجیوں کو بخش دے اور جس کے لئے وہ بخشش طلب کریں انہیں بخش دے'')۔

اور اس مقام پر علامہ کرمانی حنفی نے ایک دُعا ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ کہے:

اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّرْكِ وَ الشَّكِّ، وَالنِّفَاقِ وَ الشِّقَاقِ، وَ سُوْءِ الْأَخْلَاقِ، وَ ضِیْقِ الصَّدْرِ، وَ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَ سُوْءِ الْمُنْقَلِبِ، وَ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْأَهْلِ وَ الْمَالِ وَ الْوَلَدِ (۱۶۰)

یعنی، اے اللہ! میں تیرے پناہ چاہتا ہوں (تیری ذات وصفات میں) شرک سے اور (تیرے احکام میں) شک سے اور نفاق واختلاف اور بُرے اخلاق سے، اور سینے کی تنگی، دجال کے فتنے سے، بُرے انجام سے، اہل، مال اور اولاد میں بُرے حال سے۔

علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ متوفی ۹۹۳ھ اور مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ خُشوع، خُضوع اور استغفار کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۵۹۔ حیات القلوب من زیارت المحبوب، باب دھم در بیان رمی جمار، فصل پنجم، در بیان کیفیت رمی جمار، ص۲۱۹

۱۶۰۔ المسالک فی المناسک، فصل: الرمی فی الیوم الثانی و الثالث، ۵۹۶/۱

(مع حضورٍ) أی للقلب (و خُشوعٍ) أی فی القالب لأنه علامة خُضوع الباطن، (و تضرُّعٍ) أی إظهار ضَراعةٍ و مسكنةٍ و حاجة (و استغفارٍ) أی طلب مغفرة و توفیق توبة (۱۶۱)

یعنی، حُضورِ قلب اور خُشوع یعنی قالَب میں کیونکہ یہ باطن میں خُضوع کی علامت ہے اور تضرع یعنی آہ وزاری، مسکینی اور حاجت کے اظہار سے اور استغفار یعنی بخشش اور توبہ کی توفیق طلب کرتے ہوئے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱۲ ذو الحجة ۱۴۳۴ھ، ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۳ م 881-F

جمرات کی رمی کے بعد دُعا کس جگہ مانگی جائے؟

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ میں پہلے اور دوسرے جمرے کی رمی کے بعد دُعا کا حکم ہے وہ کس جگہ مانگی جائے، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرتے ہیں اور بعض کچھ آگے جا کر دُعا کرتے نظر آتے ہیں، اس میں درست کیا ہے، پھر کچھ کو دیکھا کہ وہ جمرہ کی طرف منہ کر کے دُعا کرتے ہیں، کچھ قبلہ رُو، اس میں صحیح کیا ہے؟

(السائل: فیضان، لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں جمرۂ اُولیٰ اور ثانیہ کے بعد دُعا جمرہ سے کچھ آگے جا کر مانگنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ہے، سالم کہتے ہیں کہ

أنه كان یرمی جمرة الدنیا بسبع حصیاتٍ، یكبّر علی إثر كلّ حصاةٍ، ثم یتقدّم فیُسهلُ، فیقوم مستقبلَ القبلة فیقوم طویلاً،

۱۶۱۔ المسلك المنقسط فی المنسك المتوسط، باب رمی الجمار و أحكامه، فصل: فی صفة الرمی فی هذه الأیام، ص۳۴۱

ویدعو و یرفع یدیه، ثم یرمی الوُسطی، ثم یأخذ ذات الشمال، فیُسهِل، و یقوم مستقبل القبلة فیقوم طویلاً، ویدعو و یرفعُ یدیه و یقوم طویلاً ثم یرمی جمرة ذات العقبة من بطن الوادی و لا یقف عندها ثمّ ینصرف فیقول هکذا رأیتُ النّبیَّ ﷺ یفعله (١٦٢)

یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرہ اُولیٰ کو سات کنکریاں مارتے، ہر کنکری کے پیچھے تکبیر کہتے، پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ نرم زمین پر آ جاتے، پھر قبلہ رُو ہو کر طویل قیام فرماتے، پس دعا کرتے اور (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماتے، پھر اسی جمرۂ وسطیٰ کو سات کنکریاں مارتے، پھر بائیں جانب جاتے، پس نرم زمین پر آتے اور قبلہ رُو ہو کر طویل قیام فرماتے، پس دعا فرماتے اور (دعا کے لئے) ہاتھ اُٹھاتے اور طویل قیام فرماتے پھر بطن وادی سے جمرۂ عقبہ کو رمی فرماتے اور اس کے پاس نہ ٹھہرتے، پھر لوٹ جاتے، پس فرماتے کہ میں نے ایسا ہی عمل کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔

عن سلیمان بن ربیعة الباهلی قال: نظرنا عمر رضی الله عنه یوم النفر الأوّل فخرج علینا و لحیتُه تقطرُ ماءً، فی یده حصیات، و فی حره حصیات، ماشیاً یکبّر فی طریقه حتی رمی الجمرة الأولی، ثم مضی انقطع من فضض الحصی و حیث لا ینالُه حصی مَن رمی فدعا ساعةً، ثم مضی إلی الجمرة الوُسطی، ثم الأخری (١٦٣)

یعنی، سلیمان بن ربیعہ باہلی سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر رضی

١٦٢ـ صحیح البخاری، کتاب الحج، باب إذا رمی الجمرتین یقوم ویسهل مستقبل القبلة، ٤٣٠/١ـ ٤٣١، برقم: ١٧٥١

١٦٣ـ أخبار مکة للأزرقی، باب ما ذکر من النزول بمنی و أین نزل النّبیّ ﷺ منها، من أین ترمی الجمرة؟ و ما یدعی عندها إلخ، ١٧٩/٢

اللہ عنہ کو نفر اول کے روز (یعنی ۱۲ ذوالحجہ) کو اس حال میں چلتے ہوئے دیکھا کہ آپ کی داڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ کے ہاتھ اور آپ کی گود میں کنکریاں تھیں، آپ راستے میں تکبیر کہہ رہے تھے یہاں تک کہ جمرۂ اُولیٰ کے پاس پہنچے (رمی کے بعد) پھر چلے یہاں تک کہ کنکریاں لگنے سے منقطع ہوئے وہاں کہ جہاں آپ کو اس شخص کی کنکریاں نہ لگیں جو رمی کرے، پھر کچھ وقت دعا فرمائی، پھر جمرۂ وُسطیٰ تک چلے، پھر دوسرے (یعنی جمرۂ عقبہ) کی طرف۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے:

أنّ عبدَ اللّٰهِ بنَ عُمَرَ کَانَ یَقِفُ عِندَ الجَمرَتَینِ الأُولَیَینَ، فَیَقِفُ وُقُوفًا طَوِیلاً و یکبّر الله و یسبّحه و یحمده و یدعوا الله لا یقف عند الجمرة العقبة (١٦٤)

یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس قیام فرماتے، پس طویل قیام فرماتے، تکبیر، تسبیح اور تحمید کہتے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

رأیتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ و وَقَفَ عِندَ الجَمرَةِ الثَّانِیَةِ أَطوَلَ مِمَّا وَقَفَ عِندَ الجَمرةِ الأولیٰ (١٦٥)

یعنی، نبی کریم ﷺ پہلے اور دوسرے کے پاس قیام فرماتے۔

قال ابن جریج: قال عطاء: و إذا رمیت قمت عند الجمرتین السفلیین، قلت: بحیث یقوم النّاس الآن، قال: نعم إلخ (١٦٦)

١٦٤ـ السُّنَن الکُبری للبیهقی، کتاب الحج، باب الرجوع إلی منی أیام تشریق و الرمی بها کل یوم إذا زالت الشمس، برقم: ٩٦٦٦، ٢٤٣/٥

١٦٥ـ المسند للإمام أحمد بن حنبل، برقم: ٦٦٦٩، ٦٣٠/٢

١٦٦ـ أخبار مکة للأزرقی، باب ما ذکر من النزول بمنی و أین نزل النّبیّ ﷺ منها، من أین ترمی الجمرة؟ و ما یدعی عندها إلخ، ١٧٩/٢

یعنی، ابن جریج نے کہا کہ عطاء (تابعی) نے فرمایا: جب تو رمی کرے، نچلے
دو جمروں کے پاس (دُعا کے لئے) کھڑا ہو، میں نے عرض کی جہاں اب
لوگ کھڑے ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں۔

لہٰذا روایات کے مابین جمع سے نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اور دوسرے
جمرے سے تھوڑا ساتھ آگے قیام فرمایا، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا اور
فرمایا کہ میں نے ایسا ہی عمل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
جمرہ سے اتنی دُور قیام فرمایا جہاں کنکریاں پھینکنے والوں کی کنکریاں نہ لگیں۔ اور تیسری اور چوتھی
روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس قیام فرمایا
اس سے بھی مراد وہی ہے جس کی پہلی روایت میں تصریح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما
نبی کریم ﷺ کی سنت پر سختی سے عمل کرنے والے اور اس میں بڑے محتاط تھے۔ اور آخری
روایت میں ہے کہ ابن جریج نے عطاء تابعی سے پوچھا پہلے اور دوسرے کی رمی کے بعد وہاں
کھڑا ہوں جہاں لوگ کھڑے ہوتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ہاں۔

اسی لئے علماء کرام نے لکھا جیسا کہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ اور مُلّا علی
قاری حنفی متوفی ۱۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

(ثم) أی بعد الفراغ منها (يتقدّم عنها) أی عن الجمرة (قليلاً و
ينحرفُ عنها قليلاً) أی مائلاً إلی يساره (١٦٧)

یعنی، پھر یعنی (پہلے جمرہ کو) رمی سے فراغت کے بعد جمرہ سے تھوڑا سا آگے
بڑھے اور تھوڑا سا بائیں جانب پھرے۔

اور دوسرے کی رمی کے لئے فرمایا:

(ثم يأتی الجمرةَ الوسطی فيصنعُ عندها كما صَنَعَ عند الأولی)
مِن الرمی و الدعاء، (قيل: إلّا أنه لا يتقدّم عن يساره كما فعل قبل)

١٦٧۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب رمی الجمار و أحكامه، فصل: فی صفة الرمی فی هذه الأيام، ص ٣٤١

أی قبل ذلك فی الجمرة الأولی، (لأنه لا يمكن ذلك هنا، بل
يتركها بيمينٍ) أی يميلُ إلی يساره كثيراً (١٦٨)

یعنی، پھر جمرۂ وسطیٰ کو آئے پس اس کے پاس وہی کرے جو پہلے کے پاس
رمی اور دعا کی تھی، کہا گیا کہ (اس کے پاس) وہ دائیں جانب آگے نہیں
بڑھے گا جیسا کہ پہلے کیا یعنی اس سے پہلے جمرۂ اُولیٰ میں، کیونکہ یہ وہاں ممکن
نہیں بلکہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ کو چھوڑے اور اپنے بائیں طرف کو بہت
زیادہ مائل ہو۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

چون فارغ شُد از رمی ہرہفت سنگریزے متقدم شود از جمرہ اند کے وانحراف
نماید اند کے از وی بسوئی یسار خود پس وقوف کند الخ (۱۶۹)

یعنی، جب ساتوں کنکریاں مار کر فارغ ہو جمرہ سے تھوڑا سا آگے بڑھے اور
تھوڑا سے اپنے بائیں کو پھرے پھر کھڑا ہو۔

اور فرماتے ہیں:

بلکہ نُزول نماید بسوئی یسار خود و فرو گذارد جمرۂ وسطیٰ را بسوئے یمین خود بایستد
دربطن وادی بعید از جمرہ بحد یکہ نرسد اُو را سنگریزہ ہائے رمی جمرہ (۱۷۰)

یعنی، (دوسرے کی رمی کے بعد) اپنے بائیں کو اُترے اور جمرۂ وسطیٰ کو اپنے
دائیں کی طرف چھوڑے اور بطن وادی میں جمرہ سے اتنی دُور کھڑا ہو کہ اُسے
رمی کرنے والوں کی کنکریاں نہ لگیں۔

١٦٨۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب رمی الجمار و أحكامه، فصل فی صفة الرمی فی هذه الأيام، ص٣٤٢

١٦٩۔ حيات القلوب، باب دهم دربيان رمی جمار، فصل پنجم در بيان كيفيت رمی جمار، ص٢١٨، ٢١٩

١٧٠۔ حيات القلوب، باب درهم در رمی و جمار، فصل پنجم در بيان كيفية رمی جمار، قسم اول، ص٢١٩

اورعلامہ محمد سلیمان اشرف لکھتے ہیں:

جمرۂ اُولیٰ پر پہنچ کر سات کنکریاں انہیں آداب کے ساتھ مارے جو اوپر بیان ہوئے پھینکے، پھر وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر قبلہ رُو کھڑا ہو............اب جمرۂ وسطیٰ پر جائے اور ایسا ہی کرے یعنی سات کنکریاں اُس پر پھینکے پھر جمرہ سے تھوڑا سا ہٹ کر کھڑا ہو۔(۱۷۱)

والله تعالی أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ۱۳ ذو الحجة ۱٤۳٤ھ، ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۳ م F-882

رمی جمرات میں ترتیب کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دوسرے یا تیسرے روز جمرات کی رمی اس طرح کی کہ پہلے جمرہ عقبہ کی رمی پھر وُسطیٰ کی اور پھر آخر میں جمرۂ اُولیٰ کی رمی کی، اِس صورت میں رمی درست ہوگئی یا نہیں؟ جب کہ وہ تاریخ ابھی باقی ہو۔

(السائل: محمد عرفان، از لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز، مکہ مکرمہ)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اگر رمی کا وقت باقی ہو تو چاہئے کہ جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کی رمی کا اعادہ کرے، چنانچہ امام شمس الدین احمد بن محمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

قال: و إن بدأ فی الیوم الثانی بجمرة العقبة فرماها ثم بالوُسطی ثم بالتی تلی المسجد ثم ذکر ذلك فی یومه، قال: یعید علی الجمرة الوُسطی و جمرة العقبة، لأنه نسك شُرِعَ مُرَتّباً فی هذا الیوم، فما سبق أوانه لا یعتّد به، فکان رمی الجمرة الأولی بمنزلة الافتتاح للجمرة الوُسطی، و الوُسطی بمنزلة الافتتاح لجمرة العقبة فما أدّی قبلَ وجوده مفتاحه لا یکون معتدّاً به کمن سَجَد قبل

۱۷۱۔ الحج، گیارہویں اور بارہویں کی رمی، ص۱۵۲

الرکوع، أو سعی قبل الطواف بالبیت، فالمعتد من رمیه هنا الجمرة الأولیٰ، فلهذا یعید علی الوسطی و علی جمرة العَقَبة (۱۷۲)

یعنی، فرمایا دوسرے روز اگر جمرہ عقبہ سے رمی شروع کی پس اُس کی رمی کی پھر وُسطیٰ کی رمی کی، پھر اُس کی رمی کی جو مسجد کے ساتھ ملا ہوا ہے، پھر اُسے اُسی روز یاد آ گیا، فرمایا: جمرہ وُسطیٰ اور جمرہ عقبہ کی رمی کا اعادہ کرے کیونکہ اس روز نُسک ترتیب وار واجب ہے، پس جو اپنے وقت سے پہلے ہوا اُسے شمار نہیں کیا جاتا، پس جمرہ اُولیٰ کی رمی جمرہ وُسطیٰ کے لئے افتتاح کے مرتبے میں ہوگئی اور وُسطیٰ کی رمی جمرہ عقبہ کے لئے افتتاح کے مرتبے میں ہوگئی۔ پس جو اپنی مِفتاح کے وُجود سے قبل ادا ہو وہ معتد بہ نہیں ہوتی یہ ایسے ہیں جیسے کوئی شخص رکوع سے قبل سجدہ کرے یا بیت اللہ کے طواف سے قبل سعی کرے، پس یہاں اُس کی رمی صرف جمرہ اُولیٰ کی رمی شمار ہوگی، لہٰذا وہ جمرہ وُسطیٰ اور جمرہ عقبہ کی رمی کا (ترتیب وار) اعادہ کرے گا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اُن میں ترتیب واجب ہے جیسا کہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

و هو صریح فی إفادة هذا المعنی (۱۷۳)

یعنی، یہ اس معنیٰ کا فائدہ دینے میں صریح ہے۔

لیکن اکثر کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

و الأکثر علی أنه سنة (۱۷٤)

۱۷۲۔ المبسوط للسرخسی، کتاب المناسك، باب رمی الجمار، ۲/۵۹

۱۷۳۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب رمی الجمار و أحکامه، فصل: فی أحکام الرمی و شرائطه و واجباته، تحت قوله: العاشر الترتیب إلخ، ص۳۵۲

۱۷٤۔ لُباب المناسك و عُباب المسالك، باب رمی الجمار و أحکامه، فصل فی أحکام الرمی و شرائطه و واجباته، ص۱٦٦

یعنی، اور اکثر اس پر ہیں کہ یہ سنت ہے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

و الأكثر على أنّه سنّة مؤكدة (١٧٥)

یعنی، اکثر اس پر ہیں کہ یہ سنّت مؤکّدہ ہے۔

چنانچہ علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۵ھ لکھتے ہیں:

هل هو متعيّنٌ أو مسنونٌ؟ لا دلالةَ فی كلامه عليه، و عبارته فی "المجمع" صريحة فی عدم تعينه، قال: و يسقط الترتيب، و صرّح فی "المناسك" بأنه سنة حتى لو بدأ فی الثانی بجمرة العقَبة ثم بالوسطى ثم بالتی تلی المسجد فإن أعاده على الوُسطى ثم على العقَبة فی يومه فحسُنَ، و إن لم يعد أجزاه (١٧٦)

یعنی، کیا وہ (یعنی ترتیب) متعیّن (یعنی واجب) ہے یا مسنون ہے؟ تو صاحبِ ''کنز'' کے کلام میں اِس پر کوئی دلالت نہیں ہے، اور اس کی عبارت ''مجمع'' میں اس کی عدمِ تعیّن میں صریح ہے، فرمایا اور ترتیب ساقط ہو جائے گی اور ''مناسک'' میں تصریح فرمائی کہ یہ ترتیب سنت ہے یہاں تک کہ اگر دوسرے روز جمرہ عقبہ سے ابتداء کی پھر وُسطیٰ کی رمی کی، پھر اُس کی جو مسجد سے ملا ہوا ہے، پس اگر وُسطیٰ کی رمی کا پھر عقبہ کی رمی کا اعادہ کر لیا تو اچھا ہے اور اگر اعادہ نہ کیا تو اُسے جائز ہے۔

اور علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن سعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

فان ترك الترتيب فی اليوم الثانی فبدأ بجمرة العقَبة فرماها ثم بالوسطى ثم بالتی تلی المسجد ثم ذكر ذلك فی يومه فإنه ينبغی

١٧٥ـ حياة القلوب فی زيارة المحبوب، باب دهم در رمی جمار، فصل دويم دربيان شرائط صحت رمی جمار، ص٢١٤

١٧٦ـ النهر الفائق، كتاب الحج، باب الإحرام، تحت قوله: ثم بالجمرة العقبة، ٩١/٢

أن يعيد الوُسطى و جمرة العقَبة و إن لم يعد أجزأه و لا يُعيد الجمرة الأولى أما إعادة الوُسطى و جمرة العقبة فلتركه الترتيب فإنه مسنون لأن النّبیّ ﷺ رتّب فإذا ترك المسنون تستحب الإعادة و لا يُعيد الأولى لأنه إذا أعاد الوسطى و العقبة صارت هی الأولى و إن لم يعد الوُسطى و العقَبة أجزأه لأن الرميات مما يجوز أن ينفرد بعضها من بعض بدليل أن يوم النحر يرمی فيه جمرة العقبة و لا يومی غيرها من الجمار و فيما جاز أن ينفرد البعض من البعض لا يشترط فيه الترتيب كالوضوء بخلاف ترتيب السعی على الطواف أنه شرط لأن السعی لا يجوز أن ينفرد عن الطواف بحال (١٧٧)

یعنی، اگر دوسرے روز ترتیب کو ترک کیا پس جمرۂ عقبہ سے شروع کیا پس اُس کی رمی کی پھر وُسطیٰ کو پھر اُس کو جو مسجد سے ملا ہوا ہے، پھر اُسے اُسی روز یاد آیا (کہ اُس نے رمی خلاف ترتیب کی ہے) تو اُسے چاہئے کہ جمرۂ وسطیٰ اور عقبہ کی رمی کا اِعادہ کرے اور اگر اِعادہ نہ کیا تو اُسے جائز ہوا اور وہ جمرۂ اُولیٰ کی رمی کا اعادہ نہیں کرے گا مگر جمرۂ وُسطیٰ اور عقبہ کی رمی کا اِعادہ تو وہ ترتیب کو ترک کرنے کے سبب سے، پس بے شک وہ ترتیب مسنون ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ترتیب وار رمی فرمائی، پس جب مسنون عمل کو ترک کیا تو اعادہ مستحب ہوا، اور پہلے جمرہ کی رمی کا اعادہ نہیں کرے گا پس اُس نے جمرۂ وسطیٰ اور عقبہ کی رمی کا اعادہ کر لیا تو یہ اُولیٰ ہو گیا اور اگر جمرہ وسطیٰ اور عقبہ کی رمی کا اعادہ نہ کیا تو اُسے جائز ہوا کیونکہ رمی اُن افعال میں سے ہے کہ جنہیں بعض کو بعض سے منفرد کرنا جائز ہے اس دلیل سے کہ یوم نحر میں

١٧٧ـ بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، كتاب الحج، فصل: فی حكمه إذا تأخر عن وقته أوفات، ٩٧/٣

صرف جمرۂ عقبہ کو رمی کی جاتی ہے نہ کہ اس کے غیر کو، اور وہ افعال کہ جنہیں بعض کو بعض سے منفرد کرنا جائز ہے، اُن میں ترتیب شرط نہیں ہوتی جیسے وضو برخلاف سعی کو طواف پر (مقدم کرنے کے) وہ شرط ہے کیونکہ جائز نہیں کہ کسی بھی حال میں سعی طواف سے منفرد کیا جائے۔

مُلّا علی قاری حنفی علامہ رحمت اللہ سندھی کی ''لُباب'' میں عبارت ''و الاکثر علی أنه سنة'' کے تحت لکھتے ہیں:

کما صرّح به صاحب ''البدائع''، و الکرمانی، و ''المحیط'' و ''فتاوی السراجیة'' و قال ابن الهمام، و الذی یقوی عندی استنان الترتیب لا تعیینه (۱۷۸)

یعنی، جیسا کہ اس کا صاحب ''بدائع''، کرمانی، ''محیط'' اور ''فتاوی سراجیہ'' نے تصریح کی ہے اور امام ابن ہمام نے فرمایا: میرے نزدیک جو قوی ہے وہ ترتیب کا سنت ہونا ہے نہ کہ تعیین اس کی (یعنی وُجوب اُس کا)۔

اور سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہے چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی کے قول ''أو سنة'' کے تحت لکھتے ہیں:

مؤکدة عند الأکثر (۱۷۹)

یعنی، اکثر کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

و الأکثر علی أنه سنة مؤکدة (۱۸۰)

۱۷۸۔ المسلك المتقسط، باب رمی الجمار و أحکامه، شرائط الرمی عشرة، العاشر: الترتیب فی الرمی، تحت قوله: و الأکثر علی أنه سنة، ص۳۵۲

۱۷۹۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، ص۱۳٤

۱۸۰۔ حیاة القلوب فی زیارة المحبوب، باب دهم در رمی جمار، فصل دویم در بیان شرائط صحته رمی جمار، ص۲۱٤

یعنی، اور اکثر اس پر ہیں کہ یہ (ترتیب) سنت مؤکدہ ہے۔

امام اہلسنّت امام احمد رضا حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ نے خلاف ترتیب رمی کو مکروہات میں شمار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

جمروں میں خلاف ترتیب کرنا (مکروہ ہے)۔(۱۸۱)

اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی کیونکہ اس میں جو بھی اُمور ذِکر کئے ہیں سب کے سب مکروہات تنزیہی ہیں۔

لہٰذا اگر خلاف ترتیب رمی کر لی تو چاہئے کہ وُسطیٰ اور عقبہ کی دوبارہ رمی کر لے کہ اعادہ سنت مؤکدہ ہے، چنانچہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

اگر عکس کرد سنت مؤکدہ باشد اعادہ رمی بر جمرہ وسطیٰ و قصوی (۱۸۲)

یعنی، اگر ترتیب کا عکس کر لیا تو سنت مؤکدہ ہے کہ جمرۂ وسطیٰ اور عقبہ پر رمی کا اعادہ کرے۔

والله تعالی أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ۱۲ ذوالحجة ۱٤۳۵ھ، ٦ أکتوبر ۲۰۱٤م F-946

۱۸۱۔ انوار البشارۃ، فصل پنجم منی و مزدلفہ و باقی افعال حج، برقم: ۴۰، رمی میں یہ امور مکروہ ہیں، برقم: ۱۰، ص......
فتاوی رضویہ، فصل پنجم منی و مزدلفہ و باقی افعال حج، رمی میں یہ امور مکروہ ہیں، ۱۰/۷۵۴

۱۸۲۔ حیات القلوب فی زیارة المحبوب، ص۲۱٤

قربانی / دم

حج کی قربانی اور دَم کا ذبح حرم کے ساتھ خاص ہے

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کیا حج کی قربانی اور دَم وغیرہا کا ذبح حرم کے ساتھ خاص ہے اور اگر حرم کے ساتھ خاص ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ جانور سرزمین حرم پر ہی ذبح کیا جائے؟

(السائل: عبدالعزیز حقانی C/O محمد ریحان)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: دَم کی کوئی بھی قسم ہو، دم شکر ہو جسے دَم قران اور دَم تمتع جسے عُرف میں حج کی قربانی کہا جاتا ہے یا دَم جبر، میقات سے بلا احرام گزرنے کا دَم ہو یا دَم احصار سب کے سب سرزمین حرم کے ساتھ خاص ہیں چنانچہ شیخ الاسلام علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

ہر دمے کہ واجب شُدہ ذبح آن در حج وعمرہ چنانکہ دَم قران وتمتّع وجنایت و دَم مجاوزۃ از میقات ودَم احصار، پس مکان اُو حرم است ہر جا کہ باشد از حرم وہمیں است حکم دَم تطوّع (۱۸۳)

یعنی، ہر دَم کہ جس کا ذبح کرنا حج وعمرہ میں واجب ہو جیسے دَم قران وتمتُّع اور دَم جنایت، اور میقات سے گزرنے کا دَم اور دَم اِحصار، پس اس (کے ذبح) کی جگہ حرم ہے، حرم کی کوئی بھی جگہ ہو اور یہی حکم ہے نفلی دَم کا۔

اور احناف کے نزدیک حرم سے باہر ذبح کی اجازت نہیں، چنانچہ امام مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف ابن الساعاتی حنفی متوفی ۶۹۴ھ دَمِ احصار کے بیان میں لکھتے ہیں:

۱۸۳ـ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب ہشتم، دربیان آنچہ متعلق است از مناسک منی، فصل چہارم در بیان مسائل متعلقہ بمکان ذبح ہدایا و زمان آن، ص۲۰۴

و لا نُجيزُ ذبحُها فی مكانِه بل يواعد به فی الحرم، ثم يتحلّل (١٨٤)

یعنی، اور ہم (احناف) اس (دَم احصار) کے ذبح کی اپنی جگہ (یعنی احصار کی جگہ) اجازت نہیں دیتے بلکہ وہ اس سے (یعنی محصِر اُس سے کہ جس کے ہاتھ دَم بھیجا ہے) اس کے حرم میں ذبح کا وعدہ لے (یعنی دن معین کرے) پھر احرام کھولے۔

اور اگر حدود حرم سے باہر کہیں بھی ذبح کرے تو جائز نہ ہوگا، چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ جنایات کے بیان میں لکھتے ہیں:

فلو ذبح فی غيره لم يجز (١٨٥)

یعنی، پس اگر اُسے غیر حرم میں ذبح کر دیا تو جائز نہ ہوا۔

اور علامہ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں کہ

و لو ذُبح فی غير الحرم لم يتحلّل به من الإحرام (١٨٦)

یعنی، اور (مُحصَر کا) جانور اگر غیر حرم میں ذبح کر دیا گیا تو اس سے وہ احرام سے باہر نہ ہوگا۔

یہاں تک کہ حرم سمجھ کر حِل میں ذبح کر دیا تو بھی جائز نہ ہوگا۔ یہ اس طرح ہے گویا اُس نے ذبح کیا ہی نہیں، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

و كذا لو ظنّ أنّه ذُبح فی الحرم و قد ذُبح فی الحِلِّ فكأنّه لم يُذبحَ و لم يَحِلَّ من إحرامه، و عليه أن يبعث بآخر حتى يذبح فی الحرم (١٨٧)

یعنی، اسی طرح اگر اُس نے گُمان کیا کہ حرم میں ذبح کیا گیا ہے حالانکہ وہ

١٨٤ـ مجمع البحرين، كتاب الحج، فصل: فی الإحصار، ص٢٥٢

١٨٥ـ ردّ المحتار علی الدّرّ المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، ٦٧٢/٣، تحت قوله فی الحرم

١٨٦ـ لباب المناسك و عُباب المسالك، باب الإحصار، فصل فی بعث الهدی إذا أحصر، ص٢٥٦

١٨٧ـ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب الإحصار، تحت قوله: و لو ذبح فی غير الحرم إلخ، ص٥٨٨

حِلّ میں ذبح کیا گیا ہو تو گویا ذبح نہیں ہوا اور وہ اپنے احرام سے باہر نہیں ہو گا، اور اُس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے جانور کو بھیجے یہاں تک کہ وہ حرم میں ذبح کیا جائے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ جو حکم دَم قِران و تمتّع و جنایات کا ہے وہی حکم دَم اِحصار کا ہے اور جو حکم دَم اِحصار کا ہے وہی حکم مذکورہ بالا دَم کا ہے تو اب ہم دَم کے حرم کے ساتھ خاص ہونے کے دلائل قرآن و حدیث سے ذِکر کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ (١٨٨)

ترجمہ: اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانہ نے پہنچ جائے۔ (کنز الایمان)

اور دوسرے مقام پر ہے:

﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ الآية (١٨٩)

ترجمہ: پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ (کنز الایمان)

اور ان آیات میں محل سے مراد مکان ہے جیسے مجلس اور مسجد جیسا کہ امام ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ نے "المسالك فی المناسك" (١٩٠) میں لکھا ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"أنّه ﷺ لَمَّا أُحصِرَ بَعثَ بِالْهَدَايَا إِلَى مَكَّة لِتُنحَرَ عَنهُ بِهَا (١٩١)

یعنی، نبی کریم ﷺ جب مُحصر ہوئے تو آپ نے ہدی (یعنی قربانی کے جانور) مکہ مکرمہ بھیجے تا کہ آپ کی جانب سے وہاں نحر کئے جائیں۔

اس سے ثابت ہوا ہدی کا جانور حُدودِ حرم میں ہی ذبح کیا جائے گا اس سے باہر نہیں، اگر باہر ذبح کیا گیا تو اس سے وہ دَم ادا نہ ہوگا چاہے دَم شکر ہو یا جبر یا دَم اِحصار۔

١٨٨۔ البقرہ:٢/١٩٦

١٨٩۔ الحج:٢٢/٣٣

١٩٠۔ المسالك فی المناسك فصل فی كفارة جناية الحرم و الإحرام و بيان مصرفه و محله، ٢/٨٧٤

١٩١۔ المسالك و المناسك للكرمانی، فصل فی كفارة جناية الحرم و الإحرام إلخ، ٢/٨٧٥

اور اگر کوئی شخص یہ حدیث شریف پیش کرے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

"فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَ حَلَقَ رَأْسَهُ بِالْحُدَيْبِيَّةِ" (١٩٢)

یعنی، پس حضور ﷺ نے حدیبیہ نے اپنے ہدی کو نحر فرمایا اور اپنے مبارک سر کا حلق کروایا۔

اور اس حدیث شریف کی بنا پر حِلّ میں دَم کے ذبح کا جواز تلاش کرے تو اس کے جواب میں امام ابو منصور محمد بن مکرم بن شعبان کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

و ما ذكر من حديث الحديبية، قلنا: الحديبية بعضها حلّ و بعضها حرم، حتى روى أن خيمته كانت فى الحِلّ، و مُصلّاه فى الحرم، فكان ينحر الهدى فى الحرم، و كان بينها و بين مكة ثلاثة أميال (١٩٣)

یعنی، اور جو حدیث حدیبیہ سے ذکر کیا جاتا ہے (تو جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حِل ہے اور اس کا بعض حرم ہے یہاں تک کہ مروی ہے کہ حضور ﷺ کا خیمہ حِلّ میں تھا اور آپ کی نماز کی جگہ حرم میں تھی، تو آپ ہدی حرم میں ذبح فرماتے اور اس کے اور مکہ کے مابین تین میل (کا فاصلہ) ہے۔

اور حدیثِ مِسْوَر میں ہے:

"أن رسول الله ﷺ كان بالحديبية خباؤه فى الحِلّ، و مصلّاه فى الحرم" (١٩٤)

یعنی، بے شک رسول اللہ ﷺ کا خیمہ حِلّ میں تھا اور آپ کی نماز کی جگہ حرم میں تھی۔

١٩٢۔ صحيح البخارى، باب الصلح مع المشركين، برقم:٢٧٠١، ٢/١٨٧

١٩٣۔ المسالك فى المناسك، فصل: فى كفارة جناية إلخ، ٢/٨٧٥

١٩٤۔ شرح معانى الآثار، كتاب المناسك الحج، باب الهدى يصد عن الحرم هل ينبغى أن يذبح فى غير الحرم، برقم: ٤٠٨٨، ٢/٢٤١

علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

و الکلّ من الهدی مؤقت بالمکان سواء کان دم شکر أو جنایة (۱۹۵)

یعنی، تمام ہدی جگہ کے ساتھ مؤقّت ہیں برابر ہے کہ دمِ شکر (دمِ قران یا دمِ تمتُّع) ہو یا دَمِ جنایت (یعنی دَمِ جبر) ہو۔

امام مظفر الدین احمد بن علی ثعلب المعروف ابن الساعاتی حنفی متوفی ۶۹۴ھ لکھتے ہیں:

و یتعیّن الحرم لذبح الهدایا (۱۹۶)

یعنی، حرم ذبح کے لئے متعیّن ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الأحد، ۱ ذی الحجة ۱۴۳۴ھ، ۶ اکتوبر ۲۰۱۳ م 870-F

دم جبر میں اخفاء مستحب ہے

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ نماز کی قضاء کا حکم تو یہ ہے کہ اُسے ظاہر نہ ہونے دیا جائے تو حج میں اگر کوئی واجب ترک ہو جائے جو کہ گُناہ ہے اور اُس پر دَم لازم آئے تو وہاں چھپانے کا حکم ہوگا یا نہیں؟

(السائل: محمد ریحان از لبیک حج اینڈ عمرہ سروسز)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: دَم کفّارہ میں چُھپانا مستحب ہے، چنانچہ علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

و ما کان من دَم کفارة استحب إخفاءه و ستره، لأن سببها الجنایة کقضاء الصلاة یستحب إخفاءه (۱۹۷)

۱۹۵۔ منح الغفار بشرح تنویر الأبصار، کتاب الحج، باب الهدی، تحت قوله: و یتعین یوم النحر لذبح إلخ، ق۱۷۶/أ

۱۹۶۔ مجمع البحرین، کتاب الحج، فصل فی الهدی، ص۲۵۵

۱۹۷۔ منح الغفار بشرح تنویر الأبصار، کتاب الحج، باب الهدی، تحت قوله: لا یجب تعریفه، ق ۱۷۱/أ

یعنی، جو دَم کفّارے کا ہو اس کو پوشیدہ رکھنا اور چُھپانا مستحب ہے، کیونکہ اس کا سبب جنایت قضاء نماز کی مثل اس کا اخفاء مستحب ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ۲ ذو الحجة ۱۴۳۴ھ، ۷ اکتوبر ۲۰۱۳ م 872-F

قربانی میں اُس جگہ کا اعتبار ہے جہاں قربانی ہو رہی ہو

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص حج کے لئے آئے اور وہ منیٰ روانگی سے قبل مکہ مکرمہ میں مقیم ہو تو اُس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہوتی ہے جیسا کہ آپ کے فتاوی میں بھی مذکور ہے اور ایسا شخص چاہے کہ میں عید کی قربانی یہاں نہ کروں بلکہ اپنے وطن میں کرواؤں اس کے لئے سننے میں آرہا ہے کہ ایسے شخص کی قربانی تب درست قرار پائے گی جب دونوں جگہ ایام قربانی ہوں یعنی جس جگہ قربانی کی جا رہی ہے وہاں بھی قربانی کے دن ہوں اور جس کی طرف سے قربانی ہو رہی ہے وہ جس جگہ موجود ہو وہاں بھی قربانی کے ایام ہوں، یہ بات کس حد تک درست ہے، کئی لوگ اس مسئلہ میں بہت پریشان ہیں۔

(السائل: متعدد حجاج کرام، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: ایسی صورت میں جب کسی پر قربانی کاؤ جوب ہو چکا ہو اور وہ ایک جگہ ہو اور قربانی دوسری جگہ پر کروا رہا ہو تو اعتبار اس جگہ کا ہوتا ہے جہاں جانور ذبح کیا جارہا ہے، چنانچہ علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

و المعتبر مکان الأضحیّة لامکان المالك کما فی الزّکاة (۱۹۸)

یعنی، معتبر قربانی کا مکان ہے نہ کہ مالک کا مکان جیسا کہ زکوٰۃ میں۔

امام ابو بکر جصاص رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

و إنما اعتبر موضع الأضحیّة، لاموضع المضحّی، کما اعتبر

۱۹۸۔ الإختیار لتعلیل المختار، کتاب الأضحیة، ۵/۲۵

موضع المال فی أداء الزّکاة (۱۹۹)

یعنی، صرف موضع قربانی کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ قربانی کروانے والے کا جیسا کہ موضع مال کا اعتبار ادائیگیٔ زکوٰۃ میں۔

علامہ حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

و یُعتبر مکان المذبوح لا مکان المالك (۲۰۰)

یعنی، ذبح کئے جانے والے جانور کے مکان کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ مالک کے مکان کا۔

علامہ فقیہ ابو الفتح ظہیر الدین عبد الرشید ولوالجی حنفی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں:

لأن المعتبرَ مکانُ إقامة القُربة (۲۰۱)

یعنی، کیونکہ معتبر مکانِ قُربت ہے۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

لأن المعتبرَ فی الأضحیّةِ مکان الأضحیّةِ (۲۰۲)

یعنی، کیونکہ قربانی میں معتبر مکان قربانی ہے۔

اور علامہ موصلی حنفی لکھتے ہیں:

فلو کان بالمصر و أهله بالسّواد جاز أن یضحّوا عنه قبل الصّلاة و بالعکس لا (۲۰۳)

۱۹۹۔ شرح مختصر الطحاوی، کتاب الضحایا، مسئله: وقت ذبح الأضحیة فی غیر المصر، ۳۳۶/۷

۲۰۰۔ فتاوی قاضیخان، و الشرط الثانی: الوقت، ۴۲۲۷/۹

۲۰۱۔ الفتاوی الولوالجیة، کتاب الصّید و الذّبائح و الأضحیّة، الفصل الرابع فی وقت الأضحیّة و مکانها إلی آخره، ۷۹/۳

۲۰۲۔ الفتاوی الولوالجیة، کتاب الصّید و الذّبائح و الأضحیّة، الفصل الرّابع فی وقت الأضحیّة إلخ، أما مکان الأضحیة، ۷۹/۳

۲۰۳۔ الإختیار لتعلیل المختار، کتاب الأضحیة، ۲۵/۵

یعنی، اگر وہ شہر میں ہو اور اس کا اہل دیہات میں ہو، جائز ہے کہ وہ اس کی طرف سے نمازِ عید سے قبل ذبح کریں اور اس کا عکس جائز نہیں۔

امام حسن بن منصور اوزجندی حنفی لکھتے ہیں:

و لو کان هو فی مصرٍ وقتَ الأضحیّة و أهلُه فی مصرٍ آخر فکتبَ إلی الأهل و أمَرَهُم بالتّضحیّة فی ظاهر الرّوایة یُعتبر مکانُ الأضحیّة (۲۰۴)

یعنی، اگر وہ قربانی کے وقت ایک شہر میں ہو اور اُس کا اہل دوسرے شہر میں ہو پس اُس نے اپنے اہل کو لکھا اور انہیں قربانی کا حکم دیا، ظاہر الروایت میں قربانی کے مکان کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور امام علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

و إنما یعتبر فی هذا مکان الشّاة لا مکان مَن علیه، هکذا ذکر محمد علیه الرّحمة فی النّوادر و قال: إنما أنظرُ إلی محلّ الذّبح و لا أنظرُ إلی مَوضعِ المَذبوحِ عنه و هکذا رَوَی الحسنُ عن أبی یوسفَ رحمه الله یُعتبرُ المکان الذی یکون فیه الذّبح و لا یُعتبر المکان الذی یکون فیه المذبوح عنه (۲۰۵)

یعنی، اس میں صرف بکری کے مکان کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس کے مکان کا جس پر قربانی ہے، اسی طرح امام محمد علیہ الرحمہ نے "نوادر" میں ذِکر کیا اور فرمایا میں محلِ ذبح کو دیکھتا ہوں مذبوح عنہ کی جگہ کو نہیں دیکھتا، اسی طرح حسن (بن زیاد) نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اعتبار اُس مکان کا ہے جس میں ذبح ہو، اس مکان کا اعتبار نہیں جس میں مذبوح عنہ ہو۔

۲۰۴۔ فتاوی قاضیخان، ۴۲۲۷/۹

۲۰۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب التّضحیّة، فصل: إما شرائط جواز إقامة الواجب، منها إذن صاحب الأضحیّة بالذّبح، ۳۱۱/۶

علامہ کاسانی مزید لکھتے ہیں:

و إن کان الرّجلُ فی مصرٍ و أهله فی مصرٍ آخر فکتبَ إلیهم أن یُضحّوا عنه روی عن أبی یوسف رحمه الله أنه اعتَبَرَ مکانَ الذّبیحةِ فقال ینبغی لهم أن لا یضحّوا عنه حتی یصلّی الإمام الذی فیه أهله و إن ضحّوا عنه قبل أن یصلّی لم یَجُزه و هو قول محمدٍ علیه الرحمة (٢٠٦)

یعنی، اگر مرد ایک شہر میں ہے اور اُس کا اہل دوسرے شہر میں ہے تو اُس نے اُن کی طرف لکھا کہ وہ اس کی طرف سے قربانی کر دیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ وہ ذبیحہ کے مکان کا اعتبار کرتے ہیں، پس فرمایا انہیں چاہئے کہ اُس کی طرف سے ذبح نہ کریں یہاں تک کہ اُس میں شہر کا امام نمازِ عید پڑھا دے جس میں اُس کا اہل ہے، اگر انہوں نے اُس کی طرف نماز سے قبل قربانی کی تو اُسے جائز نہ ہوئی اور یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

لأن الذّبح هو القُربة فیُعتبرُ مکان فِعْلِها لا مکانُ مفعولِ عنه (٢٠٧)

یعنی، کیونکہ ذبح قُربت ہے پس اس کے فعل کا مقام معتبر ہے نہ کہ مفعول عنہ (یعنی جس کی طرف سے ذبح کیا جائے) کا مقامِ معتبر ہے۔

علامہ فقیہ ابو الفتح ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ ابن عبد الرزاق الولوالجی حنفی متوفی ٥٤٠ھ لکھتے ہیں:

و لو کان مسافراً فضحّی عنه أهلُه، لم یَجُز إلا بعد صلاة الإمام، فیُنظر إلی موضع الذّبح دون المذبوح عنه، و کذا إذا کان فی

٢٠٦ـ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب التّضحیّة، فصل: إما شرائط جواز إقامة الواجب، منهاإذ صاحب الأضحیّة بالذّبح، ٣١١/٦

٢٠٧ـ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب التّضحیّة، فصل: إما شرائط جواز إقامة الواجب إلخ، ٣١١/٦

مصرٍ، و أهلُه فی مصرٍ الذی ذُبِح فیه (٢٠٨)

یعنی، اگر وہ مسافر ہو پس اُس کی طرف سے اُس کے اہل نے قربانی کی، جائز نہ ہوگی مگر امام کی نماز کے بعد، پس ذبح کی جگہ کو دیکھا جائے گا سوائے مذبوح عنہ کے، اسی طرح جب وہ شہر میں ہے اور اُس کا اہل دوسرے شہر میں ہے، پس اُس نے لکھا کہ اُس کی طرف سے قربانی کر دیں، پس چاہئے اُس شہر کے امام کی نماز کے بعد ذبح کیا جائے کہ جس میں ذبح ہے۔

اور یہ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کا قول ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

و لأبی یوسف و محمد رحمهما الله، أن القُربةَ فی الذّبح و القُربات المؤقّتةٌ یُعتبر وقتُها فی حقّ فَاعِلِها لا فی حقِّ المفعول عنه (٢٠٩)

یعنی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ ذبح میں قُربت ہے، اور قُربات مؤقتہ میں کرنے والے کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ جس کی طرف سے کیا جا رہا ہے اُس کے وقت کا اعتبار ہو۔

اور علامہ فرید الدین عالم بن العلاء دہلوی حنفی متوفی ٧٨٦ھ لکھتے ہیں:

و رُوِی عنهما أیضاً أن الرّجل إذا کان فی مصرٍ و أهلُه فی مصرٍ آخر فکتبَ إلیهم أن یُضحّوا عنه، فإنه یُعتبر مکانُ الذّبیحةِ فینبغی أن یضحّوا عنه بعدصلاة الإمام فی المصر الذی یُذبح فیه(٢١٠)

یعنی، صاحبین سے یہ بھی مروی ہے کہ کوئی شخص ایک شہر میں ہو اور اُس کا اہل دوسرے شہر میں ہو، پس اُس نے اپنے اہل کو لکھا کہ وہ اس کی طرف سے قربانی

٢٠٨ـ الفتاوی الولوالجیة، کتاب الصید و الذّبائح و الأضحیّة، الفصل الرابع فی وقت الأضحیّة و مکانها إلی آخره، ٧٩/٣

٢٠٩ـ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب التضحیة، فصل: أما شرائط جواز إقامة إلخ، ٣١٢/٦

٢١٠ـ فتاوی تاتارخانیة، کتاب الأضحیة، الفصل فیما یتعلق بالمکان و الزمان، ٤٢٢/١٧، برقم: ٢٧٧٠٤

کردیں، تو ذبیحہ کی جگہ کا اعتبار کیا جائے گا، پس چاہئے کہ اس شہر کے امام کی نماز کے بعد ذبح کیا جائے کہ جس شہر میں جانور ذبح ہو رہا ہے۔

اور علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں:

و يُعتبرفي الذّبح مكان الأضحيّة لامكانُ الرّجلِ في المصر (۲۱۱)

یعنی، ذبح میں قربانی کے مکان کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ شہر میں مرد کے مکان کا۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

لأن المُعتبرَ مكانُ الفعلّ دون مكان المفعول عنه (۲۱۲)

یعنی، کیونکہ معتبر مکانِ فعل ہے سوائے مفعول عنہ کہ مکان کے۔

ہاں ایک روایت میں ہے جسے علامہ ظہیر الدین ولوالجی نقل کرتے ہیں کہ

عن الحسن أنه قال: لا تجوز التّضحيّة حتى يصلّى في المِصرَين جميعاً احتياطاً (۲۱۳)

یعنی، حسن سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: قربانی جائز نہیں یہاں تک کہ احتیاطاً دونوں شہروں میں نماز عید ہو جائے۔

اور علامہ فرید الدین عالم بن العلاء حنفی نقل کرتے ہیں:

و رَوَى الحسنُ أنه قال: لا يجوز الأضحيّةَ حتى يصلّى في المصرين جميعاً (۲۱٤)

یعنی، اور حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ جانور ذبح نہیں کریں گے یہاں تک کہ دو شہروں میں لوگ نمازِ عید پڑھ لیں۔

۲۱۱۔ الجوهرة النيرة، كتاب الأضحيّة، تحت قوله: إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار، ۲/۴۵۲

۲۱۲۔ الجوهرة النيرة، كتاب الأضحيّة، تحت قوله: إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار، ۲/۴۵۳

۲۱۳۔ الفتاوى الولوالجية، كتاب الصّيد و الذّبائح و الأضحيّة، الفصل الرابع في وقت الأضحيّة و مكانها إلى آخره، ۳/۷۹

۲۱٤۔ فتاوى تاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل فيما يتعلق بالمكان و الزمان، ۱۷/۴۲۲، برقم: ۲۷۷۰٤

یہ غیر ظاہر الروایت ہے جب کہ سابقہ صفحات میں امام قاضیخان کے حوالے سے مذکور ہوا کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ صرف اس جگہ کا اعتبار کیا جائے گا جس جگہ قربانی ہو رہی ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلے میں غیر ظاہر الروایت کالعدم ہوتی ہے۔ کیونکہ جو روایت ظاہر الروایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتی ہے اور مرجوع عنہ کا قولِ امام باقی نہیں رہتا۔ اس لئے حسن بن زیاد کی روایت جسے صاحب فتاوی تاتارخانیہ اور صاحب فتاوی ولوالجیہ نے نقل کیا، اس کا قول امام ہونا باقی نہ رہا، چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ صاحبِ بحر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بأن ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه، و أن الرجوع عنه ليس قولاً له (۲۱۵)

یعنی، اس طور پر کہ جو ظاہر الروایت سے خارج ہو جائے وہ مرجوع عنہ ہے اور بے شک مرجوع عنہ امام کا قول نہیں ہے۔

اور مخدوم عبد الواحد سیوستانی حنفی متوفی ۱۲۲۴ھ لکھتے ہیں:

ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم يبق قولاً (۲۱٦)

یعنی، جو روایت ظاہر الروایت سے خارج ہو، پس وہ مرجوع عنہ اور مرجوع عنہ کا قول ہونا باقی نہیں رہتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حسن بن زیاد والی روایت وہ قول ہے کہ جس سے امام اعظم علیہ الرحمہ نے رجوع فرمایا ہے اور مجتہد جس سے رجوع کر لے وہ قول اُس مجتہد کا قول نہیں رہتا اور مرجوع عنہ قول پر فتوی دینا اور اس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں، چنانچہ علامہ شامی حنفی ''توشیح'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

۲۱۵۔ ردّ المحتار على الدر المختار، المقدمة، مطلب: في مولد الأئمة إلخ، تحت قوله: فكان كل يأخذ الخ، ۱/۱۰۹

۲۱٦۔ فتاویٰ واحدی، كتاب النكاح، ۲/۱۱٦

أن ما رجع عنه المجتهد لا يجوز الأخذ به (٢١٧)

یعنی، جس قول سے مجتہد نے رجوع کرلیا اُسے لینا جائز نہیں۔

اور مخدوم عبدالواحد سیوستانی لکھتے ہیں:

المجتهد إذا رجع عن قولٍ فلا يجوز الأخذ به (٢١٨)

یعنی، مجتہد جب کسی قول سے رجوع کرلے تو اُسے لینا جائز نہیں۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

فإذا كان كذلك فما قاله أصحابه مخالفين له فيه ليس مذهبه فحينئذ صارت أقوالهم مذاهب لهم، مع أنا التزمنا تقليد مذهبه دون مذهب غيره، و لذا القول إن مذهبنا حنفی و لا یوسفی ونحوه (٢١٩)

یعنی، جب اس طرح ہے (یعنی مجتہد جس قول سے رجوع کرلے پھر وہ اُس کا قول نہیں رہتا اور اس مرجوع عنہ قول سے دلیل پکڑنا جائز نہیں) تو جو امام اعظم کے اصحاب نے اُن کے (قول و مذہب کے) خلاف کیا وہ امام اعظم کا مذہب نہیں ہے، تو ان کے اقوال اُن کے مذاہب ہو گئے، ہم نے تو امام اعظم کے مذہب کی تقلید کا التزام کیا ہے کسی دوسرے مذہب کی تقلید کا التزام نہیں کیا ہے، اِسی لئے تو ہم کہتے ہیں ہمارا مذہب حنفی ہے نہ کہ یوسفی وغیرہ۔

اس لئے ظاہر الروایت یہی ہے کہ قربانی میں اُس جگہ کا اعتبار کیا جائے جہاں قربانی ہو رہی نہ کہ اُس جگہ کا جس کی طرف سے قربانی ہو رہی ہے، یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔

لہٰذا ایسے حاجی جو پاکستان میں اپنی قربانی کروا رہے ہیں اُن کے لئے وہاں کے ایام

٢١٧۔ ردّ المحتار على الدر المختار، المقدمة، مطلب: فی مولد الأئمة إلخ، تحت قوله: فكان كل يأخذ الخ، ١٠٩/١

٢١٨۔ فتاوی واحدی، كتاب النكاح، ١١٦/٢

٢١٩۔ ردّ المحتار على الدر المختار، المقدمة، مطلب: فی مولد الأئمة إلخ، تحت قوله: فكان كل يأخذ الخ، ١٠٩/١

قربانی کا ہی اعتبار کیا جائے گا۔

والله تعالى أعلم بالصواب

یوم السبت، ١٠ ذوالحجه ١٤٣٥هـ، ٤ اکتوبر ٢٠١٤ م 927-F

کیا حاجی منیٰ میں عید نماز سے قبل قربانی کرسکتا ہے؟

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص منیٰ میں اپنی عید کی قربانی کرنا چاہے تو کیا وہ عید نماز سے قبل قربانی کرسکتا ہے؟ جب کہ عام طور پر حکم یہ ہے کہ عید سے قبل قربانی جائز نہیں ہوتی۔

(السائل: ایک حاجی، مکہ مکرمہ)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: حاجی منیٰ میں نمازِ عید سے قبل عید کی قربانی کرسکتا ہے، چنانچہ امام شمس الدین احمد بن محمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ اور اُن سے علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ نقل کرتے ہیں:

يجوز لهم التّضحيّة بعد انشقاق الفجر كما يجوز لأهل القُرى اهـ(٢٢٠)

یعنی، طلوعِ فجر کے بعد اہلِ منیٰ کے لئے قربانی کرنا جائز ہے جیسا کہ دیہات والوں کے لئے جائز ہے۔

یاد رہے کہ اہلِ منیٰ کے لئے عید کی قربانی جائز ہے نہ کہ حجِ قِران اور تمتُّع کی قربانی کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد ہو۔

والله تعالى أعلم بالصواب

یوم السبت، ١٠ ذوالحجة ١٤٣٥هـ، ٤ اکتوبر ٢٠١٤ م 945-F

٢٢٠۔ المبسوط للسرخسی، كتاب الذبائح، باب الأضحية، ٧٧/٦

غنية ذوی الأحكام فی بغية درر الحكام، كتاب الأضحية، تحت قوله: لا تذبح الأضحية فی المصر، ٢٦٨/١

حلق

طوافِ عمرہ کے دو پھیروں کے بعد حلق کروانے والے کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے عمرہ ادا کرنے کے بعد سعی کے دو پھیرے ہی دیئے تھے کہ اُس میں مزید چلنے کی طاقت نہ رہی اور اس نے آکر سر منڈوالیا، اب اُس پر کیا لازم آئے گا؟

(السائل: عبدالغنی میندھرو، مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اُس پر دَم لازم آئے گا کیونکہ عمرہ میں سعی واجب ہے، چنانچہ امام ابومنصور محمد بن مکرم کرمانی حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

وواجباتها شيئان: السعي بين الصفا و المروة و الحلق أو التقصير (۲۲۱)

یعنی، عمرہ کے واجب دو چیزیں ہیں ایک صفا و مروہ کے مابین سعی اور (دوسرا) حلق یا تقصیر۔

اسی طرح "بدائع الصنائع" (۲۲۲)، "فتاوی قاضیخان" (۲۲۳) اور "لُباب المناسک" (۲۲۴) میں ہے۔

اور عمرے کی سعی کے جب صرف دو چکر دیئے اور زیادہ چھوڑ دیئے تو یہ سعی شمار نہیں ہو گی، اگر اکثر چکر دے لئے ہوتے اور کم چھوڑے ہوتے تو یہ سعی شمار ہو جاتی جیسا کہ امام کرمانی حنفی لکھتے ہیں:

للأكثر حكم الكل (۲۲۵)

۲۲۱۔ المسالك فی المناسك، فصل: فی العمرة علی سبيل الإنفراد، ۶۱۵/۱

۲۲۲۔ بدائع الصّنائع، كتاب الحج، فصل فی بيان العمرة، ۲۰۵/۲

۲۲۳۔ فتاوی قاضيخان، كتاب الحجّ فی العمرة، ۳۰۱/۱

۲۲۴۔ لُباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب العمرة، ص۲۷۹

۲۲۵۔ المسالك فی المناسك، فصل منه أيضاً، ۶۱۹/۱

یعنی، اکثر کے لئے کُل کا حکم ہے۔

لہٰذا یہ شخص تارک سعی شمار ہوگا اور اب اگر سعی کو پورا کرتا ہے تو دَم ساقط نہ ہوگا کیونکہ عمرہ میں سعی کے واجبات سے ہے کہ اُسے احرام میں ادا کیا جائے چنانچہ علامہ رحمت اللہ قاضی عبداللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و كونه فی حالة الإحرام فی سعي العمرة (۲۲۶)

یعنی، اُس کا سعی میں حالت احرام میں ہونا (واجب) ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

و إن كان سعي العمرة فلا يشترط فيه وجوده، وهل يجب حال سعيه؟ الظاهر: نعم (۲۲۷)

یعنی، اگر سعی عمرے کی ہے تو اُس میں اِس (یعنی احرام) کا وجود شرط نہیں ہے اور کیا احرام حالتِ سعی میں واجب ہے؟ ظاہر ہے کہ ہاں (واجب ہے)۔

اور مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

إذ سعي الحج بعد الوقوف لا يشترط فيه الإحرام، بل و يُسَنُّ عدمه، و كذا سعي العمرة لا يشترط وجوده بعد حلقه، بل يجب تحقُّقه قبل حلقه (۲۲۸)

یعنی، جب حج کی سعی وقوف کے بعد کی تو اُس میں احرام شرط نہیں ہے بلکہ اس میں مسنون احرام کا نہ ہونا ہے، اسی طرح عمرہ کی سعی میں حلق کے بعد احرام کا پایا جانا شرط نہیں بلکہ اس کا تحقُّق حلق سے قبل واجب ہے۔

اور اُس نے حلق کے بعد سعی کی جب کہ عمرہ میں سعی کا تحقق حلق سے قبل واجب تھا

۲۲۶۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب السعي بين الصفا و المروة، فصل: فی واجباته، ص۱۲۸

۲۲۷۔ لُبَاب المناسك و عُبَاب المسالك، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل: فی شرائط صحة السعي، ص۱۲۵

۲۲۸۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب الجنايات، فصل: فی الجناية فی السعي، تحت قوله: يعود بإحرام جديد، ص۵۰۴

کیونکہ عمرہ میں سعی کے وقت احرام کا ہونا عمرہ کی سعی کے واجبات سے ہے، چنانچہ مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

سیوم بقاء احرام در وقت سعی عمرہ (۲۲۹)

یعنی، تیسرا واجب یہ ہے کہ عمرہ کی سعی کے وقت احرام باقی ہو۔

اور لکھتے ہیں:

و اگر سعی عمرہ باشد پس بقاء احرام دران حال شرط نیست ولیکن واجب است (۲۳۰)

یعنی، اگر سعی عمرہ کی ہو تو اس حال میں بقاءِ احرام شرط نہیں لیکن واجب ہے۔

اس لئے اب اگر وہ عمرہ کی رہی ہوئی سعی ادا کرتا ہے تو وہ عمرہ کے احرام کو کھول چکا ہے، لہٰذا وہ سعی اس احرام میں نہیں ہوگی جب کہ اس سعی کا احرام میں ہونا واجب ہے، اس سبب سے ترک واجب بہر حال لازم آیا جس پر دَم واجب ہوگا کیونکہ سعی کے اکثر چکر باقی ہیں، اگر کم باقی ہوتے تو ہر چکر پر صدقہ لازم آتا۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء، ۱۷ ذو الحجة ۱٤۳٤ھ، ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۳م F-887

محرم نے ایسے محرم کا سر مونڈھا جس کے احرام کھلنے کا وقت تھا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے احرام کھولنے کا وقت تھا کہ اُس کی قربانی ہو چکی تھی اور دوسرے کی ابھی قربانی نہ ہوئی تھی تو جس کی قربانی نہیں ہوئی تھی اس نے اُس کا سر مونڈھ دیا کہ جس کی قربانی ہو چکی، اس صورت میں دونوں پر کیا لازم آئے گا؟ (السائل: ذوالفقار، مدینہ منورہ)

۲۲۹۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب چھارم دربیان سعی، فصل اول: در بیان شرائط صحت سعی و واجبات الخ، ص۱۵۸

۲۳۰۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب چھارم در بیان سعی، فصل اول: در بیان شرائط صحت سعی إلخ، ص۱۵۸

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں محرم پر صدقہ لازم آئے گا اور اُس پر کچھ نہیں کہ جس کی قربانی ہو چکی تھی اور اُس نے ایک محرم سے اپنا سر منڈوایا، چنانچہ علامہ ابو منصور محمد بن مکرم حنفی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

المحرم إذا حلق رأس غيره حلالاً كان أو محرماً، قاصداً كان أو ناسياً أو قلم أظافير، فعلى المحرم الحالق الصدقه إلخ (۲۳۱)

یعنی، محرم نے جب اپنے غیر کا سر مونڈا وہ احرام کھول چکا ہو یا محرم، قاصد ہو یا بھولنے والا یا اُس کے ناخن تراشے تو محرم حلق کرنے والے پر صدقہ ہے۔

اور علامہ احمد بن محمد بن اقبال حنفی لکھتے ہیں:

محرم حلق رأس محرم على المخلوق دم، و على الحالق صدقة (۲۳۲)

یعنی، محرم نے دوسرے محرم کا سر مونڈا تو جس کا سر مونڈا گیا اُس پر دَم ہے اور جس نے مونڈا اس پر صدقہ لازم ہے۔

اور جس کا سر مونڈا گیا اُس پر کچھ بھی لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے احرام کھولنے کا وقت آ گیا تھا اور جس نے مونڈا اُس پر صدقہ لازم آئے گا۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱۹ ذو الحجة ۱٤۳٤ھ، ۲٤ اکتوبر ۲۰۱۳م F-889

عمرہ میں ایک چکر سعی کے بعد حلق کا ارادہ رکھنے والا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حجِ تمتّع میں طوافِ عمرہ ادا کیا جس میں اُس کی فیملی اُس سے بچھڑ گئی پھر اُس نے سعی شروع کی، ایک ہی پھیرا دیا تھا کہ پریشانی کی وجہ سے سعی چھوڑ کر ہوٹل چلا آیا، اب چاہتا ہے کہ وہ حلق کروا لے، کیا وہ حلق کروا سکتا ہے جب کہ اُس نے اب تک احرام کی پابندی کو برقرار رکھا ہے؟ (السائل: ایک حاجی، مکہ مکرمہ)

۲۳۱۔ المسالك فی المناسك، كتاب الجنايات، فصل: المحرم إذا حلق، ۷٥٦/۲

۲۳۲۔ البحر الزاخر فی تجريد السراج الوهاج، كتا ب الحج، باب الجنايات، ق ۳۷/أ

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورتِ مسئولہ میں وہ حلق نہیں کروا سکتا کہ اُس پر اب تک عمرہ کی سعی باقی ہے جو کہ واجب ہے چنانچہ علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی متوفی ۸۷۹ھ لکھتے ہیں:

السعی بین الصفا و المروة واجب باتفاقهم (۲۳۳)

یعنی، صفا اور مروہ کے مابین سعی فقہاء کرام کے اتفاق سے واجب ہے۔

اور سعی میں کم از کم چار پھیرے دینا صحتِ سعی کی شرط ہے، چنانچہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

پنجم از شرائطِ صحت سعی اتیان اکثر اشواط اَوست اعنی چہار شوط از جملہ ہفت اشواط (۲۳۴)

یعنی، شرائطِ صحتِ سعی کی پانچویں شرط اس کے اکثر چکر ادا کرنا ہے، میری مراد ہے کہ سات میں سے چار چکر دینا۔

لہٰذا ایک دو پھیرے دینے کا مطلب ہوا کہ اُس نے سعی کی ہی نہیں ہے چنانچہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

پس اگر کسی کہ سعی کرد سہ شوط فقط گویا سعی نکردہ است اصلاً (۲۳۵)

یعنی، پس اگر کسی نے سعی کے صرف تین پھیرے دیئے گویا اُس نے اصلاً سعی کی ہی نہیں۔

اب اگر وہ حلق کروا لیتا ہے اور سعی جو کہ واجب ہے اُسے بعد میں ادا کرتا ہے تو یہ سعی درست ہو جائے گی، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

۲۳۳_ التصحیح و الترجیح، کتاب الحج، تحت قوله: ثم یخرج إلی الصفا إلخ، ص۲۰۹

۲۳۴_ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب چهارم دربیان سعی، فصل اول در بیان شرائط صحتِ سعی، ص۱۵۸

۲۳۵_ حیات القلوب فی زیارة المحبوب، باب چهارم در بیان سعی، فصل اول در بیان شرائط صحت سعی، ص۱۵۸

یتفرَّعُ علیه أنه لو طاف ثم حَلقَ، ثُمّ سَعَی صَحَّ سَعیُه (۲۳۶)

یعنی، اِس پر متفرع ہوتا ہے کہ اگر اُس نے طواف کیا پھر (سعی سے قبل) حلق کیا پھر سعی کی تو اُس کی سعی درست ہو گئی۔

مگر اس پر ایک دَم لازم آ گیا کیونکہ عمرہ کی سعی میں احرام کا ہونا واجب ہے جو اُس سے ترک ہوا، چنانچہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی لکھتے ہیں:

سیوم بقاء احرام در وقت سعی عمرہ (۲۳۷)

یعنی، تیسرا واجب یہ ہے کہ عمرہ کی سعی کے وقت احرام باقی ہو۔

اور علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

و کونه فی حالة الإحرام فی سعی العمرة (۲۳۸)

یعنی، عمرہ کی سعی میں احرام واجب ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یعنی اگر طواف کے بعد سر مونڈا لیا پھر سعی کی تو سعی ہو گئی مگر واجب ترک ہوا لہٰذا دَم واجب ہے۔ (۲۳۹)

لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ سعی ادا کرنے کے بعد حلق کروائے ورنہ اُس پر دَم لازم آئے گا اور ترکِ واجب کی وجہ سے گنہگار بھی ہو گا۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ۳ ذوالحجة ۱۴۳۵ھ، ۲۷ سبتمبر ۲۰۱۴م 937-F

۲۳۶_ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب السعی، فصل فی شرائط صحة السعی، تحت قوله: سعی العمرة فلا یشترط فیه وجوده، ص۲۴۸

۲۳۷_ حیات القلوب فی زیارة المحبوب، باب چهارم دربیان سعی و واجبات، فصل اول شرائط صحت سعی الخ، ص۱۵۸

۲۳۸_ لُباب المناسك و عُبَاب المسالك، باب السعی بین الصفا و المروة، فصل فی واجباته، ص۱۲۸

۲۳۹_ بہارِ شریعت، حج کا بیان، صفا و مروہ کی سعی، مسئلہ ۲۶، ۶/۱۱۵۹

منیٰ

حاجی دس ذوالحجہ کومنیٰ میں عید کی نماز کیوں ادانہیں کرتے ؟

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی دس ذوالحجہ کومنی میں ہوتے ہیں تو وہ عید کی نماز کیوں ادانہیں کرتے ،حالانکہ عید کی نماز واجب ہے؟

(السائل:عمران،مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: حاجی پر عید کی نماز واجب نہیں ہے کیونکہ اس روز وہ مناسک حج ادا کرنے میں مشغول ہوتا ہے جیسے مزدلفہ سے منیٰ آنا، جمرہ عقبہ کی رمی، حج کی قربانی، اور طوافِ زیارت۔ چنانچہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں اور اسے علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ نقل کرتے ہیں:

قال فی "مبسوط السرخسی": (لیس علی أهل منی یومَ النحر صلاة العید) لأنهم فی وقت صلاة العید مشغولون بأداء المناسک، فلا یلزمهم صلاة العید (۲۴۰)

یعنی،"مبسوط سرخسی" میں فرمایا کہ یوم نحر میں اہلِ منیٰ پر نمازِ عید واجب نہیں، کیونکہ وہ نمازِ عید کے وقت مناسک کی ادائیگی میں مشغول ہوتے ہیں، لہٰذا اُن پر نمازِ عید واجب نہیں ہے۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ۱۰ ذوالحجة ۱۴۳۵ھ، ٤ اکتوبر ۲۰۱٤ م 944-F

۲۴۰۔ غنیة ذوی الأحکام فی بغیة درر الحکام، کتاب الأضحیة، تحت قوله: لا تذبح الأضحیة فی المصر، ۱/۲٦۸

المبسوط للسرخسی، کتاب الذبائح، باب الأضحیة، ٦/١٧

عرفات

غُروب کے بعد عرفات آنے والے حاجی کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی حاجی عرفات مغرب کے بعد پہنچا تو دَم ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بلا عذر مغرب کے بعد جائے تو کیا حکم ہوگا؟

(السائل:اقبال صوفی،مدینہ منورہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: وقوف کا وقت زوال آفتاب سے لے کر دس کی فجر تک ہے اس وقت میں جو حاجی عرفات آ گیا اُس کا وُقوف ہو گیا۔ اور جو شخص زوالِ آفتاب کے بعد غُروبِ آفتاب سے قبل وُقوف کرے اُس پر واجب ہے کہ غُروبِ آفتاب تک وہاں سے نہ نکلے، چنانچہ علامہ نظام حنفی متوفی ۱۱٦۱ھ اور علماء ہند کی ایک جماعت نے لکھا کہ

وواجبة: الإمتداد إلی الغروب (۲۴۱)

یعنی، وُقوف کا واجب غُروبِ آفتاب تک اِمتداد ہے۔

اور جو شخص رات میں وُقوف کرے اُس کے لئے کچھ بھی واجب نہیں وہ اگر ایک گھڑی کے لئے بھی میدانِ عرفات میں آ گیا تو اُس کا وقوف درست ہو گیا، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

و الحاصل: أنه إذا وقف لیلاً فلا واجبَ فی حقّه حتی لو وقف ساعةً أو مرّ بعرفات لیلاً لا یلزَمه شیء، لأن امتداده لیس بواجب علی مَن وقف لیلاً (۲۴۲)

۲۴۱۔ الفتاوی الهندیة، کتاب المناسک، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج، ۱/۲۲۹

۲۴۲۔ المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، باب الوقوف بعرفات و أحکامه، فصل فی شرائط صحة الوقوف، تحت قوله: وقوف جزء من اللیل، ص ۲۹۱

یعنی، حاصل کلام یہ ہے کہ جب اُس نے رات میں وقوف کیا تو اُس کے حق میں کوئی واجب نہیں یہاں تک کہ اگر اُس نے ایک گھڑی کے لئے وُقوف کیا یا رات میں عرفات سے گزر گیا تو اُسے کوئی شے لازم نہیں کیونکہ امتداد اُس پر واجب نہیں جو رات میں وُقوف کرے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

اما کسی کہ وقوف کرد در شب پس واجب نباشد در حق اُو چیزے تا آنکہ اگر وقوف نمود در شب مقدار یک لحظہ اگرچہ بطریق عبور باشد کافی بود در حق حصولِ واجب و لازم نباشد چیزے بروے (۲۴۳)

یعنی، اگر کسی شخص نے رات میں وقوف کیا تو اس کے حق میں کوئی چیز واجب نہیں، یہاں تک کہ اگر رات میں ایک گھڑی کی مقدار وقوف کیا اگرچہ گزرنے کے طور پر ہوا، حصولِ واجب کے حق میں کافی ہو گیا، اس پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ١٤ ذوالحجة ١٤٣٥ھ، ١٩ سبتمبر ٢٠١٤م 940-F

جمعہ کے روز عرفات میں نماز جمعہ کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۹ ذوالحجہ کو یوم عرفہ ہے اور جمعہ کا دن بھی ہے، جمعہ یہاں میسر نہیں اور ہم نے یہ پڑھا ہے کہ جمعہ کے روز اگر ظہر نماز پڑھی جائے تو اس کی جماعت نہیں ہوتی تو ہم عرفہ کے روز کیا کریں، ظہر نماز جماعت سے پڑھیں یا بغیر جماعت؟

(السائل: مولانا حافظ محمد فاروق ودیگر علماء)

۲۴۳۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب ششم در بیان وقوف بعرفات، فصل اول در بیان مقدار مفروض، اما واجبات در وقوف، ص۱۷۷

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسؤلہ میں نماز ظہر اگر اپنے گھر میں ادا کرتے ہیں تو با جماعت ادا کریں گے۔ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ چنانچہ علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

شرط أدائها المصر: و هو كلّ موضع له أمير و قاضٍ ينفذ الأحكام و يقيم الحدود أو مصلّاه، و منىً مصر لا عرفات (٢٤٤)

یعنی، جمعہ کی ادائیگی کی شرط مصر ہے اور مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں امیر یا قاضی ہے جو احکام نافذ کرتا ہو اور حدود کو قائم کرتا ہو اور یا فناء مصر ہو، اور منی مصر ہے نہ کہ عرفات۔

اور عرفات شہر نہیں ہے جیسا کہ مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے، اور عرفات شہر کے حکم میں بھی نہیں ہے، چنانچہ شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

و لا جمعة بعرفة يعني إذا كان الناس يوم الجمعة بعرفات لا يصلّون الجمعة بها لأن المصر من شرائط الجمعة و عرفات ليس في حكم المصر (٢٤٥)

یعنی، عرفہ میں جمعہ نہیں ہے یعنی لوگ جب جمعہ کے روز عرفات میں ہوں تو وہاں جمعہ نہیں پڑھیں گے کیونکہ جمعہ کی شرائط میں سے مصر ہے اور عرفات مصر کے حکم میں نہیں ہے۔

اور علامہ سراج الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

(لا عرفات) و لو كان الخليفة بها في قولهم جميعاً لأنها فضاء و بمنى الأبنية (٢٤٦)

یعنی، صاحبِ کنز کا قول کہ "نہ عرفات" اگرچہ سب کے قول کے مطابق وہاں

٢٤٤۔ كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ص١٧

٢٤٥۔ المبسوط للسرخسی، كتاب الحج، باب الخروج إلى منى، ٤٩/٢

٢٤٦۔ النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٣٥٤/١

خلیفہ(آتا) ہے کیونکہ وہ میدان ہے اور منی میں عمارتیں ہیں۔

اور دیہاتوں میں جمعہ نہیں ہوتا چنانچہ علامہ اَبوالحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی حنفی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

و لا یجوز فی القُری (۲۴۷)

یعنی، جمعہ دیہاتوں میں جائز نہیں۔

لہٰذا عرفات میں جب جمعہ نہیں تو نماز ظہر کی جماعت بلا کراہت درست ہوگی کیونکہ جمعہ کے روز نماز ظہر کی جماعت کی کراہت شہر میں ہے نہ کہ غیر شہر میں۔

علامہ شہاب الدّین احمد بن محمد بن احمد شِبلی حنفی متوفی ۱۰۲۱ھ لکھتے ہیں:

قال فی "الغایة": إن اتفق یوم عرفة یوم الجمعة لا یصلی فیها الجمعة اتفاقاً، و ما حکت المالکیة من المناظرة بین القاضی أبی یوسف و مالك بین یدی هارون الرشید لا أصل لها، لأن أبا یوسف لا یری الجمعة فی القری فکیف کان یری الجمعة فی البراری، و حکی القرطبی عن أبی حنیفة و أبی یوسف جواز الجمعة بعرفات و هو غلط اهـ (۲۴۸)

یعنی، "غایہ شرح ہدایہ" میں ہے یوم عرفہ اگر جمعہ کے روز ہو تو بالاتفاق وہاں جمعہ نہیں پڑھا جائے گا اور مالکیہ نے جو امام ابو یوسف اور امام مالک کے مابین ہارون رشید کے سامنے مناظرے کی حکایت ذِکر کی اس کی کوئی اصل نہیں ہے، کیونکہ امام یوسف دیہاتوں میں جمعہ فرض نہیں سمجھتے تو وہ میدانوں میں جمعے کو کیسے فرض سمجھیں گے، امام قرطبی نے امام ابوحنیفہ اور

۲۴۷۔ مختصر القدوری، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص۳۹

۲۴۸۔ حاشیة الشبلی علی تبیین الحقائق، کتاب الحج، باب الإحرام، تحت قول الکنز: ثم صلّی بعد الزوال إلخ، و تحت قول التبیین: حتی لو صلّاهما أو صلّی أحدهما منفرداً، فرع، ۲/۲۸۸

امام ابو یوسف سے عرفات میں جمعہ کے جواز کی حکایت کی وہ غلط ہے۔

عرفات اگر شہر ہوتا تو وہاں جمعہ کے روز نماز ظہر با جماعت مکروہ ہوتی، چنانچہ علامہ عبداللہ بن محمد موصلی حنفی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

و یکره لأصحاب الأعذار أن یصلّوا الظهر یوم الجمعة جماعة فی المصر (۲۴۹)

یعنی، معذوروں کو شہر میں جمعہ کے روز نماز ظہر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔

اور شرح میں لکھتے ہیں:

بخلاف القُری لأنه لا جمعة علیهم (۲۵۰)

یعنی، برخلاف دیہاتوں کے کیونکہ اہل دیہات پر جمعہ نہیں ہے۔

لہٰذا عرفات کے میدان میں ۹ ذوالحجہ جمعہ کے روز نمازِ ظہر اگر با جماعت ادا کی جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

واللّٰه تعالی أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ۹ ذوالحجة ۱۴۳۵ھ، ۳ اکتوبر ۲۰۱۴م F-943

۲۴۹۔ المختار الفتوی مع شرحه للمصنف، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص٦٦

۲۵۰۔ الإختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، تحت قوله: یکره لأصحاب الاعذار الخ، ۱/۱۱۲

متفرق

سات تاریخ کو مکہ آنے والے عمرہ ادا کر کے منیٰ جائیں

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ کراچی سے آئے ہیں، سات ذوالحجہ کو مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جاتے ہیں، یہ لوگ عمرہ ادا کر کے منیٰ جائیں گے یا بغیر عمرہ ادا کئے بھی منیٰ جا سکتے ہیں؟

(السائل: سید عبد اللہ بن علامہ اعجاز نعیمی، مدینہ منورہ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: یہ لوگ عمرہ ادا کر کے منیٰ جائیں گے کیونکہ ان لوگوں نے عمرہ کا ہی احرام باندھا ہے اور بغیر عمرہ ادا کئے اگر حج کریں گے تو تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پائی جائے گی یا تو عمرہ کے افعال ادا کئے بغیر عمرہ کا احرام کھول دیں گے تو اِس صورت میں اِن پر اس عمرہ کی قضاء لازم آئے گی جو ایامِ تشریق کے بعد کریں گے، چنانچہ محمد بن عبد اللہ بن احمد الغزی حنفی تمرتاشی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

(و قضيت) أی بعد أيام التشريق (۲۵۱)

یعنی، (احرام کے لئے) عمرہ میں شروع ہونے کی وجہ سے اُسے ایامِ تشریق کے بعد قضاء کیا جائے گا۔

اور اُس پر دَم بھی لازم آئے گا کہ اُس نے عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے افعال ادا کئے بغیر عمرہ کا احرام کھول دیا، چنانچہ محمد بن عبد اللہ بن احمد الغزی حنفی تمرتاشی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

(و وجب دم الرفض) للعمرة (۲۵۲)

۲۵۱۔ ردّ المحتار علی الدّرّ المختار، کتاب الحج، باب القران، تحت قوله: و قضيت، ۶۳۹/۳۔ ۶۴۰

۲۵۲۔ الدُّرّ المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الحج، باب القران، ص۱۶۵

یعنی، اس پر عمرہ چھوڑنے کا دَم لازم ہوگا۔

اس لئے کہ جو شخص بھی عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اُسے ادا کئے بغیر احرام کھول دیتا ہے اُس پر دَم لازم آتا ہے، چنانچہ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ اور اُن سے علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی نقل کرتے ہیں:

لأنّ كلّ مَن تحلّل بغير طوافٍ يجبُ عليه دمٌ كالمحصر (۲۵۳)

یعنی، کیونکہ وہ شخص جو عمرہ کا طواف کئے بغیر اس کے احرام سے فارغ ہو جائے اس پر محصر کی مانند دَم لازم آتا ہے۔

یا تو یہ لوگ عمرہ کا احرام کھولے بغیر حج کی تلبیہ پڑھ لیں گے اس طرح یہ لوگ قارن ہو جائیں گے، علامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

المحرم بالعمرة إذا أحرم بالحج إن أحرم قبل أن يطوف لعمرته يكون قارناً (۲۵۴)

یعنی، عمرہ کا احرام باندھا ہوا شخص جب طواف عمرہ سے قبل حج کا احرام باندھ لے تو وہ قارن ہو جاتا ہے۔

اس صورت میں بھی ان پر عمرہ کی ادائیگی حج سے قبل لازم ہوگی، اگر وہ عمرہ ادا نہیں کرتے تو ان کا عمرہ باطل ہو جائے گا، چنانچہ علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

(فإن وقف) القارن بعرفة (قبل) أكثر طواف (العمرة بطلت) (۲۵۵)

یعنی، قارن نے اگر اکثر طواف عمرہ سے قبل عرفات میں وقوف کیا تو قران باطل ہو گیا۔

اور ان پر سے دَم ساقط ہو جائے گا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

۲۵۳۔ البحر الرائق، کتاب الحج، باب القران، تحت قوله: و إن لم يدخل مكة، ۶۳۵/۲

۲۵۴۔ فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندية، کتاب الحج، فصل فی العمرة، ۳۰۱/۱

۲۵۵۔ الدر المختار شرح تنوير الأبصار، باب القران، ص۱۶۵

و سقط عنه دمُه (۲۵۶)

یعنی، اُس سے دَم قران ساقط ہو جائے گا۔

اس کے تحت مُلّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

أی دم القران للشکر المترتب علی نعمة الجمع من أداء النسکین (۲۵۷)

یعنی، دَم قران جو شکرانے کے طور پر اس نعمت پر مترتّب ہے جو اُسے نُسُکِ عمرہ و حج کے مابین جمع کرنے پر حاصل ہوئی۔

اور علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

و سقطَ دَمُ القرانِ، لأنه لم یُوفّق للنُّسُکین(۲۵۸)

یعنی، دَم قران ساقط ہو گیا کیونکہ وہ نُسُکِ عمرہ و حج کے درمیان جمع نہ کر پایا۔

اور اُس پر عمرہ کی قضاء اور ایک دَم لازم آیا جو کہ دَم جبر ہے نہ کہ دَمِ شکر۔ جس کی تفصیل ہم نے اُوپر ذِکر کر دی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ جس کا امکان بہت شاذ ہے کیونکہ جب وہ حج کے لئے عرفات جا رہا ہے تو قوی امکان یہی ہے کہ وہ حج کی نیت سے تلبیہ کہے گا جس سے وہ قارن ہو جائے گا جس کا حکم اوپر ذِکر کر دیا گیا پھر بھی اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھ کر آتا ہے اور حج کی نیت کئے بغیر اُسی احرام سے وقوفِ عرفات کرتا ہے تو اُس کا حج اصلاً نہ ہوگا کیونکہ حج کے لئے احرام باندھنا شرط ہے، چنانچہ علامہ رحمت اللہ سندھی حنفی اور مُلّا علی قاری حنفی صحتِ وُقوف کی شرائط میں لکھتے ہیں:

(الثانی الإحرام بحجّ) أی لا بعمرة (۲۵۹)

۲۵۶۔ اللّباب مع شرحه للقاری، فصل فی شرائط صحة القران، باب القران، ص۱۷۳

۲۵۷۔ المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط، باب القران، فصل فی شرائط صحة القران، تحت قوله: و سقط عنه دم، ص۳۶۲

۲۵۸۔ الدُّرُّ المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب القران، ص۱۶۵

۲۵۹۔ المسلك المتقسط، باب الوقوف، فصل فی شرائط صحة الوقت، ص۲۸۸

یعنی، دوسری شرط حج کا احرام ہے نہ کہ عمرہ کا احرام۔

اور جب شرط ہی نہ پائی گئی تو وقوفِ عرفہ درست نہ ہوگا،

إذا فات الشرط فات المشروط

یعنی، جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط فوت ہو جاتا ہے۔

اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں:

واَمّا شرائط صحتِ وقوف پس سہ چیز است یکے تقدیم احرام حج، پس اگر وقوف نمود بغیر احرام یا با احرام عمرہ صحیح نباشد وقوف اُو(۲۶۰)

یعنی، مگر شرائط صحتِ وقوف پس تین چیزیں ہیں ایک حج کے احرام کا مقدم ہونا یا عمرہ کے احرام سے وقوف کرے گا تو اُس کا وقوف صحیح نہ ہوگا۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الأحد، ٤ ذوالحجة ١٤٣٥ھ، ٢٨ سبتمبر ٢٠١٤ م F-939

اشہر حج میں عمرہ ادا کرنا اور مکہ مکرمہ کو وطن اقامت بنا لینا

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مدینہ شریف کی پیدائش ہے والدین یہاں رہتے ہیں اب وہ ذو القعدہ و ذو الحجہ میں مکہ شریف میں رہے گا لیکن اُسے کسی کمپنی نے کام کے لئے بلایا ہے، ممکن ہے اس کو حج کی اجازت نہ ملے، کام کینٹین کا ہے، ایسی صورت میں کیا اُس پر حج فرض ہو گیا؟ اور اگلے سال اس کو یہ حج ادا کرنا ہوگا یا ابھی جب وہ جائے گا عمرہ ادا کرے گا تو اب وہ مکمل ہو جائے گا، اس سال دوبارہ حج نہیں کر سکتا یا عمرہ ادا کر لے اور حج میں اگر موقع ملے تو حج بھی کر لے تو اس کا یہ کون سا حج ہوگا؟

(السائل: اقبال صوفی، مدینہ منورہ)

۲۶۰۔ حیات القلوب فی زیارت المحبوب، باب ششم در بیان وقوف عرفات، فصل اول در بیان قدر مفروض، ص۱۷۶

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اس پر حج فرض ہو جائے گا اور اگر وہ اسی سال حج کرتا ہے تو اس پر دَم تمتّع لازم آئے گا کیونکہ حج کرنے کی صورت میں یہ متمتع قرار پائے گا، چنانچہ علامہ رحمت اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم سندھی حنفی متوفی ۹۹۳ھ لکھتے ہیں:

لأنہ قال فإذا قدم الكوفی بعمرة فی أشهر الحج، و فرغ منها و قصر ثم اتخذ مكة أو البصرة داراً و حجّ من عامه ذلك فهو متمتّع (۲۶۱)

یعنی، اسی لئے کہا کہ جب کوئی اشہرِ حج میں عمرہ کے لئے آیا، اور اس سے فارغ ہوا اور قصر کیا پھر اس نے مکہ یا بصرہ میں اپنا گھر بنالیا اور حج کیا اسی سال، پس وہ متمتع ہے۔

کیونکہ مذکورہ شخص کام کے سلسلے میں مکہ مکرمہ میں رُکے گا نہ اس لئے کہ اُس نے مکہ مکرمہ کو اپنا گھر بنایا ہے، اس لئے مکہ مکرمہ اُس کے واسطے وطنِ اقامت ہے اور وہ آفاقی ہی ہے اور اس کے لئے تمتّع کا جواز اس کے ساتھ مقید ہے کہ وہ مکہ کو اپنا گھر نہ بنائے اور وہ اس نے نہیں بنایا، چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

لأنّ جواز التمتّع للآفاقی مقيّد بعدم الاستيطان لا بعدم الإقامة كما سبق (۲۶۲)

یعنی، کیونکہ آفاقی کے تمتع کا جواز وطن نہ بنانے کے ساتھ مقید ہے نہ کہ اقامت کے نہ ہونے کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا۔

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ۲۸ شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ، ۱۴ اغسطس ۲۰۱۵ م 955-F

۲۶۱۔ جمع المناسك، باب التمتّع، فصل فی شرائط صحة التمتع، ص۲۲۲

۲۶۲۔ المسلك المتقسط، باب التمتع، فصل فی شرائطه، تحت قوله: و أطلق فی "خزانة الأكمل الخ"، ص۳۸۵

مآخذ ومراجع

۱۔ **الإبتهاج بمناسك الحاجّ**، للنابلسی، العلامة عبد الغنی بن إسماعيل الحنفی (ت۱۱۴۳ھ)، مخطوط مصوّر

۲۔ **أخبار مكة للأرزقی**، الإمام محمد بن عبد الله بن أحمد (ت۲۵۰ھ)، مكتبة الثقافة، مكة المكرّمة، الطبعة العاشرة ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲م

۳۔ **الإختيار لتعليل المختار**، للموصلی، الإمام عبد الله بن محمود الحنفی (ت۶۸۳ھ)، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲م

۴۔ **إرشاد السّاری** إلی مناسك الملّا علی القاری۔ للمكی، حسين بن محمد سعيد بن عبدالغنی الحنفی (ت۱۳۶۶ھ)، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة، الطّبعة الأولیٰ ۱۴۳۰ھ۔ ۲۰۰۹م

۵۔ **أقرب المسالك** فی بغية الناسك، للعلامة عبد الله بن حسن العفيف الكازرونی الحنفی (كان حيًّا سنة ۱۱۰۲ھ)، مخطوط مصوّر

۶۔ **أنوار البشارة** فی مسائل الحجّ والزّيارة، للإمام أحمد رضا بن نقی علی خان المحدّث الهندی الحنفی (ت۱۳۴۱ھ)، تحريك إصلاح العقائد، ميتهادر، كراتشی

۷۔ **الإيضاح** فی شرح الإصلاح، لابن كمال پاشا، للإمام شمس الدّين أحمد بن سليمان الحنفی (ت۹۴۰ھ)، تحقيق الدّكتور عبداللّٰه داؤد خلف المحمّدی والدّكتور شمس الدّين أمير الخزاعی، دارُالكتب العلمية، بيروت، الطّبعة الأولیٰ ۱۴۲۸ھ۔ ۲۰۰۷م

۸۔ **البحر الرّائق** شرح كنز الدّقائق۔ لابن نجيم، زين الدّين بن إبراهيم بن محمد المصری الحنفی (ت۹۷۰ھ)، ضبطه الشّيخ زكريا عميرات، دارُالكتب العلمية، بيروت، الطّبعة الأولیٰ ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷م

۹۔ **البحر الزّاخر**، للعلّامة أحمد بن محمد ابن اقبال الحنفی، مخطوط مصوّر

۱۰۔ **البحر العمیق** فی مناسك المعتمر و الحاجّ إلی بیت الله العتیق، لابن الضّیاء، محمد بن أحمد المکی الحنفی (ت٨٥٤ﻫ)، تحقیق عبداللّٰه نذیر أحمد عبدالرحمن مزی، مؤسّسة الریان، بیروت، الطبعة الأولی ١٤٢٧ﻫ۔ ٢٠٠٦م

۱۱۔ **بدائع الصنائع** فی ترتیب الشرائع۔ للکاسانی، علاؤ الدین أبی بکر بن مسعود الحنفی (ت٥٨٧ﻫ) تحقیق و تعلیق علی محمد معوض و عادل أحمد، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ١٤١٨ﻫ۔ ١٩٩٧م

۱۳۔ بهار شریعت۔ للأعظمی، محمد أمجد علی صدرالشریعة الحنفی (ت١٣٦٧ﻫ)، المکتبة المدینة، کراتشی، الطّبعة الأولیٰ ١٤٣٠ﻫ۔ ٢٠٠٩م

۱٤۔ **التصحیح و الترجیح**، للعلامة قاسم بن قطلوبغا الحنفی (ت٨٧٩ﻫ)، تحقیق ضیاء یونس، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣ﻫ۔ ٢٠٠٢م

۱٥۔ **تنویرالأبصار وجامع البحار** فی فروع فقه الحنفی (مع شرحه للحصکفی)، للتمرتاشی، العلّامة محمد بن عبداللّٰه بن أحمد الغزّی الحنفی (ت١٠٠٤ﻫ)، تحقیق عبدالمنعم خلیل إبراهیم، دارُالکتب العلمیة، بیروت، الطّبعة الأولیٰ١٤٢٣ﻫ۔٢٠٠٢م

۱٦۔ **جمع المناسك** و نفع النّاسك المعروف بالمنسك الکبیر، للإمام رحمت الله بن القاضی عبد الله السّندی الحنفی (ت ٩٩٣ﻫ أو ٩٩٤ﻫ)، أفغانستان۔

۱۷۔ **الجوهرة النیّرة**، للحدّادی، العلامة علی بن أبی بکر الحنفی (ت٨٠٠ﻫ)، دار الکتب العلمیة، بیروت

۱۸۔ **حاشیة الشبلی** علی تبیین الحقائق، للعلامة الشبلی الحنفی، دار الکتب العلمیة، بیروت

۱۹۔ **حاشیة الطّحطاوی** علی الدّرّ المختار، للعلامة أحمد بن محمد الحنفی (ت

١٢٣١ﻫ)، دار المعرفة، بیروت، الطّبعة ١٣٩٥ﻫ۔ ١٩٧٥م

۲۰۔ **الحج**، للعلامة محمد سلیمان أشرف الحنفی، قطب مدینه پبلشرز، کراچی

۲۱۔ **حیاة القلوب** فی زیارة المحبوب۔ للسّندی، المخدوم محمد هاشم بن عبدالعفورالحارثی السندی الحنفی (ت١١٧٤ﻫ)، إدارة المعارف، کراتشی ١٣٩١ﻫ

۲۲۔ **الدُّرُّ المختار** (شرح تنویر الأبصار)۔ للحصکفی، علاؤ الدین محمد بن علی الحصنی الحنفی (ت١٠٨٨ ﻫ) تحقیق عبدالمنعم خلیل إبراهیم، دارالکتب العلمیة، بیروت، الطّبعة الأولی ١٤٢٣ﻫ۔ ٢٠٠٢م

۲۳۔ **ردّ المحتار** علی الدُّرّ المختار۔ للشّامی، محمد أمین بن عمر ابن العابدین الحنفی، تحقیق عبدالمجید طعمه الحلبی (ت١٢٥٢ﻫ)، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولی ١٤٢٠ﻫ۔ ٢٠٠٠م

۲٤۔ **سُنَن أبی داؤد**، للإمام سلیمان بن أشعث السّجستانی (ت٢٧٥ ﻫ)، تعلیق عبید الدّعاس وعادل السّید، دارإبن حزم، بیروت، الطّبعة الأولیٰ١٤١٨ﻫ۔ ١٩٩٧م

۲٥۔ **السّنن الکبری**، للإمام أبی بکر أحمد بن حسین بن علی البیهقی (ت ٤٥٨ ﻫ)، تحقیق محمد عبد القادر عطا، الطّبعة ١٤٢٠ﻫ۔ ١٩٩٩م

۲٦۔ **سُنَنُ النّسائی**۔ للإمام أبی عبد الرّحمن أحمد بن شعیب الخُرَاسَانی (ت٣٠٣ﻫ)، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطّبعة الثّانیّة ١٤٢٤ﻫ ۔ ٢٠٠٣م

۲۷۔ **شرح صحیح مسلم**۔ للنّووی، الإمام أبی زکریا یحی بن شرف الشّافعی (ت ٦٧٦ﻫ)، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، دارالکتب العلمیة، بیروت، ١٤٢١ﻫ۔٢٠٠٠م

۲۸۔ **شرح مختصر الطّحاوی**، للإمام أبی بکر الجصّاص الرّازی الحنفی(ت٣٧٠ ﻫ) تحقیق عصمة الله عنایة الله محمد، دار البشائر الإسلامیة، بیروت، الطّبعة الثّانیة، ١٤٣١ﻫ ۔ ٢٠١٠م

٢٩ـ **شرح معانی الآثار**، للإمام أبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطّحاوی الحنفی (ت ٣٢١ ھ)، تحقیق محمد زهری النّجار و محمد سیّد جاد الحقّ، عالم الکتب، بیروت، الطّبعة الأولی ١٤١٤ھ ـ ١٩٩٤م

٣٠ـ **صحیح البخاری**، للإمام محمد بن إسماعیل الجُعفی (ت٢٥٦ ھ)، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطّبعة الأولی ١٤١٩ھ ـ ١٩٩٨م

٣١ـ **صحیح مسلم**، للإمام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری (ت ٢٦١ ھ)، دار الأرقم، بیروت

٣٢ـ **الضوء المنیر** علی المنسك الصغیر، للعلامة جمال الدین أبی علی محمد بن محمد قاضی زاده الأنصاری المکی الحنفی، مخطوط مصوّر

٣٣ـ **ضیاء الأبصار** علی منسك الدُّرّ المختار، للعلامة طاهر سنبل المکی الحنفی (ت١٢١٨ ھ)، مخطوط مصوّر

٣٤ـ **غُنیة ذوی الأحکام** فی بغیة دُرَر الحکّام، للشّرنبلالی، للعلامة أبی الإخلاص حسن بن عمّار الحنفی (ت ١٠٦٩ ھ)، مطبعة أحمد کامل الکائنة فی دار السّعادة، طبع فی سنة ١٣٢٩ھ

٣٥ـ **الفتاوی التّاتارخانیة**، للعلامة عالم بن علاء الأنصاری الأندرپتی الدّهلوی الحنفی (ت٧٨٦ ھ)، تحقیق القاضی سجاد حسین، دار احیاء التّراث العربی، بیروت، الطّبعة الأولی ١٤٢٥ھ ـ ٢٠٠٤م

٣٦ـ **فتاوی قاضیخان** (علی هامش الهندیة)، للأوزجندی، للإمام حسن بن منصور الحنفی (ت ٥٩٢ ھ)، دار المعرفة، بیروت، الطّبعة الثالثة ١٣٩٣ھ ـ ١٩٧٣م

٣٧ـ **فتاوی واحدی**، للعلامة المخدوم عبد الواحد السیوستانی الحنفی (ت١٢٢٤ ھ)، مخطوط مصوّر

٣٨ـ **الفتاوی الولوالجیة**، للعلامة ظهیر الدین الولوالجی الحنفی (ت٥٤٠ ھ)، دارالکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ١٤٢٤ھ ـ ٢٠٠٢م

٣٩ـ **الفتاویٰ الهندیة**، المسمّاة الفتاوی العالمکیریة، للشّیخ نظام (ت ١١٦١ ھ)، وجماعة من علماء الهند، دار المعرفة، بیروت، الطّبعة الثالثة ١٣٩٣ ھ ـ ١٩٧٣م

٤٠ـ **فتح القدیر**، لابن الهمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد الحنفی (ت ٨٦١ھ)، داراحیاء التّراث العربی، بیروت

٤١ـ **فتح المسالك الرمز** فی شرح مسالك الکنز، للعلامة أبی الوجاهة عبد الرحمن بن عیسی بن مرشد العمری المرشدی الحنفی (ت١٠٣٧ ھ)، مخطوط مصوّر

٤٢ـ **کتاب الأصل** المسمّی بالمبسوط، للإمام محمد بن الحسن الشیبانی (ت١٨٩ ھ)، تصحیح وتعلیق أبی الوفاء الأفغانی، عالم الکتب، بیروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤١٠ھ ـ ١٩٩٠م

٤٣ـ **کتاب الأمّ** للشّافعی، الإمام محمد بن إدریس (ت٢٠٤ ھ)، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ١٤٢٣ھ ـ ٢٠٠٢م

٤٤ـ **کنزالدّقائق**، للنّسفی، حافظ الدین أبی البرکات عبداللّٰه بن محمود بن أحمد الحنفی (ت ٧١٠ ھ)، اعتنی به راشد مصطفی الخلیلی، المکتبة العصریة، بیروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤٢٥ھ ـ ٢٠٠٥م

٤٥ـ **لُباب المناسك** وعُبَاب المسالك (مع شرحه للقاری)، للإمام رحمة اللّٰه بن عبداللّٰه بن إبراهیم الدّربیلی السِّندی الحنفی (ت٩٩٣ ھ)، دار قرطبة، بیروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤٢١ھ

٤٦ـ **المبسوط**، للإمام السرخسی، شمس الدین أبو بکر محمد بن أحمد بن أبی سهل الحنفی (ت٤٨٣ ھ)، دار الفکر، بیروت، الطّبعة الأولی ١٤٢٠ھ ـ ٢٠٠٠م

٤٧ـ **مجمع البحرين**، للإمام مظفر الدّين أحمد بن على بن ثعلب المعروف بابن الساعاتى الحنفى (ت٦٩٤ﻫ)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ﻫ ـ ٢٠٠٥م

٤٨ـ **المحيط البرهانى**، لابن مازة، الإمام محمود بن أحمد بن عبد العزيز النجارى الحنفى (ت٦١٦ﻫ)، تحقيق الشيخ أحمد عزّ و عناية، دار احياء التراث العربى، بيروت، الطّبعة الأولىٰ ١٤٢٤ﻫ ـ ٢٠٠٣م

٤٩ـ **المختار الفتوى** مع شرحه، للموصلى، الإمام مجدالدّين عبداللّٰه بن محمود الحنفى (ت٦٨٣ﻫ)، دار الكتب العلمية، بيروت

٥٠ـ **مختصرالقدورى** فى فقه الحنفى، للإمام أبى الحسن أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر البغدادى الحنفى(ت٤٢٨ﻫ)، تحقيق الشّيخ محمد محمد كامل عويضة، دارُالكتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولىٰ١٤١٨ﻫ ـ ١٩٩٧م

٥١ـ **المسالك** فى المناسك، للكرمانى، أبى منصور محمد بن مكرّم بن شعبان الحنفى (ت٥٩٧ﻫ)، تحقيق الدكتور سعود بن إبراهيم، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٤ﻫ ـ ٢٠٠٣م

٥٢ـ **المسلك المتقسط** فى المنسك المتوسّط، للقارى، نور الدين على بن محمد سلطان الهروى الحنفى (ت١٠١٤ﻫ)، محقّق محمد طلحه بلال أحمد مينار، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة، الطّبعة الأولىٰ ١٤٣٠ﻫ ـ ٢٠٠٩م

٥٣ـ **المُسند**، للإمام أحمد بن حنبل (ت ٢٤١ﻫ)، المكتب الإسلامى، بيروت

٥٤ـ **المصنّف** لابن أبى شيبة، الإمام أبى بكر عبداللّٰه بن محمد العبسى الكوفى (ت٢٣٥ﻫ)، تحقيق محمد عوّامة، دارقرطبة، بيروت، الطّبعة الأولىٰ١٤٢٧ﻫ ـ ٢٠٠٦م

٥٥ـ **منح الغفار** شرح تنوير الأبصار، للتمرتاشى العلامة محمد بن عبد الله بن أحمد

الغزى الحنفى (ت١٠٠٤ﻫ)، مخطوط مصوّر

٥٦ـ **منسك الحجّ** على مذهب للإمام الأعظم أبى حنيفة رضى الله عنه، لمنلا حسين الحنفى، مخطوط مصوّر

٥٧ـ **النّهر الفائق** شرح كنز الدّكائق، للإمام سراج الدّين عمر بن ابراهيم ابن نجيم المصرى الحنفى (ت ١٠٠٥ﻫ)، حققّه و علّق عليه أحمد عزّو عناية، دار الكتب العلمية، بيروت، الطّبعة الأولىٰ ١٤٢٢ﻫ ـ ٢٠٠٢م

٥٨ـ **الهداية** شرح بداية المبتدى، للمرغينانى، برهان الدين أبى الحسن على بن أبى بكر الحنفى (ت٥٩٣ﻫ)، دار الارقم، بيروت

٥٩ـ هداية السّالك إلى المذاهب الأربعة فى المناسك، للإمام عزّ الدّين بن جماعة الكنانى (ت ٧٦٧ﻫ)، تحقيق الدّكتور نور الدّين عتر، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطّبعة الأولىٰ ١٤١٤ﻫ ـ ١٩٩٤م

پہلی مرتبہ تحقیق، تخریج اور علماءِ کرام کے افادات کے ساتھ شائع ہو چکی ہے

"شرح عقود رسم المفتی"

(عربی)

تصنیف

امام محمد امین بن عمر عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق

ڈاکٹر حامد علی علیمی

☆مخطوطات سے تقابل
☆مغلق عبارات کی تشریح وتوضیح
☆مشکل مقامات کی تسہیل
☆امام احمد رضا حنفی کے سات توضیحی مقدمات
☆نصوص کی اصل مآخذ سے تخریج
☆اختلاف نصوص کی حاشیہ میں وضاحت
☆تمام کُتب واَعلام کے تراجم
☆حسبِ ضرورت عنوانات کا قیام
☆فہرست فوائد
☆دیدہ زیب طباعت

ناشر

دار النور

(جمعیت اشاعت اہلسنّت، پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی

رابطہ: 021-32439799، 0321-3885445

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

کی ہدیۃً شائع شُدہ کُتُب

عصمت نبوی ﷺ کا بیان، تنویر البرہان، فلسفہ اذان قبر،

غیر اسلامی رسومات کے خلاف اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے سو(100) فتاوی

کیا اولیاء اللہ اور بت ایک ہیں؟ بلائے نجدیہ، ستر استغفارات،

جماعت اسلامی پر ایک تنقیدی جائزہ، شہادت کی فضیلت،

شوال کے چھ روزوں کی شرعی حیثیت، الأربعین،

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

پسندیدہ تحفہ (فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت)

اس کے علاوہ بہت مفید رسائل وکتب